کلا انہا تذکرہ ۔ فمن شاء ذکرہ ٭ یہ ایک نصیحت ہے، پس جو چاہے اس سے سبق حاصل کرے

ماہنامہ تذکرہ کراچی

ماہ ستمبر ۱۹۵۴ء۔ قیمت فی پرچہ چھ ۶ آنے

مدیر بشیر محمد ۔ مقام اشاعت۔ آرام باغ، کراچی، پاکستان

جلد ۲
شمارہ ۷
ماہ ستمبر ۱۹۵۴ء
مطابق
محرم الحرام ۱۳۷۴ھ

ماہنامہ تذکرہ کراچی

قیمت
فی پرچہ، چھ آنے
سالانہ، چار روپے
خط وکتابت و ترسیل رقم کا پتہ
دفتر ماہنامہ "تذکرہ"
آرام باغ. فریر روڈ
کراچی۔ پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

برسبیل تذکرہ

محرم الحرام

سالِ ہجری کا ماہِ اوّل جو عرصہ تک ہمارے لئے پیامِ مسرت لاتا رہا، افسوس کہ ۶۱ھ سے وہ پیغامِ غم و ماتم بن گیا۔ اسی وقت سے ہمارے سال کی ابتدا ایک عالمگیر سوگ والم سے ہونے لگی، اور اُس کی نحوست نے اِتنے پاؤں پھیلائے کہ ابتک ہمارے لئے دنیا میں اقبال مندی کی جگہ پیدا نہ ہو سکی اور نہ آئندہ اس کی کوئی امید نظر آتی ہے۔

سب سے زیادہ افسوس اور ماتم اِس بات کا ہے کہ اس اُمت کو یہ صدمہ کسی غیر سے نہیں، بلکہ اپنے ہی چند درندہ صفت افراد سے پہنچا، اور صدمہ بھی ایسا کہ نبی کے نواسے اور اُس کے اہل و عیال کو خود اُن کی اُمت نے ذبح کیا۔ یہ ایک ایسا عجیب و غریب اور حیرت انگیز واقعہ جانکاہ ہے کہ تاریخ مذاہب اب تک اِس قسم کے سانحے سے ناآشنا ہے اور رہے گی۔

واقعہ شہادت حسین رض

اس المناک حادثہ کو اگرچہ تیرہ صدیاں بیت چکی ہیں، لیکن اس کی یاد اب تک دلوں میں قائم ہے، بلکہ سال بہ سال اُجاگر ہوتی اور دلوں کو تڑپاتی رہتی ہے۔ ایک ہزار تین سو بارہ سال سے اس واقعہ جاں سوز پر کروڑہا ماتم گُساروں نے سینہ کوبی کی، لاکھوں غمزدوں نے آنسو بہائے، ہزارہا سوگواروں نے اپنی آہ و بُکا سے عالم کو سر پر اُٹھا لیا، بے شمار ہمدردوں نے غم و افسوس کا اظہار کیا، لاتعداد مرثیہ خوانوں نے مجالس عزا منعقد کیں اور نوحہ خوانی کا بازار گرم کیا، اور اب بھی اِن ماتم گُساروں، غمزدوں، سوگواروں، ہمدردوں اور مرثیہ خوانوں کی کمی نہیں، اگر کمی ہے تو اس سبق آموز واقعہ سے عبرت لینے والوں کی۔

یہ جاں گُسل حادثۂ عظیم ہمارے لئے سامانِ شیون و ماتم تو بنتا رہا، پر درسِ عبرت و موعظت نہ بن سکا۔ اور در اصل ضرورت ایسے ہی غم والم کی تھی جو درد و عبرت سے پُر ہو۔ ورنہ خالی آنکھوں سے پانی بہانا یا حلق پھاڑ کر اپنی فلک شگاف آہ و بُکا سے دنیا کے شور و غل میں اضافہ کرنا

یا گریبان چاک کر کے سینہ کوبی و ماتم کرنا اصل مقصود نہیں، اس میں سوائے زیاں کے کوئی حصول نہیں۔ دریاؤں اور سمندروں میں پانی بہت ہے شور و غوغا کے لئے بلکتے بچوں کی واویلا، ستم رسیدوں اور مصیبت زدوں کی چیخ و پکار اور امواج سمندر کی صدائے تلاطم بہت کافی ہے، آئے دن کے قتل و قتال اور مار پیٹ میں سینہ کوبی کا منظر بھی اکثر پیش ہوتا رہتا ہے۔ اس موقعۂ محزنہ پر جو چیز درکار ہے وہ ہے عبرت پذیر غمناک دل، طالبِ بصیرت نمناک آنکھیں اور نصیحت پذیر سوختہ جگر و ماتم سرا زبان، جن میں گریہ و بکا کم ہو، اور حقیقت شناسی و فکر و نظر زیادہ! ؎

طوفانِ نوح لانے سے اے چشم فائدہ؟
دو اشک بھی بہت ہیں اگر کچھ اثر کریں

اس واقعہ کی خصوصیت

مقامِ غور و فکر ہے کہ آخر یہی واقعہ ہمارے اس قدر نالہ و بکا کا موجب کیوں ہے؟ ہماری ماتم سرائیاں، آہ و نالہ کی صدائیں، حسرت و الم کی پکاریں، درد و کرب کی چیخیں، آخر اس موقع پر بے انتہا کیوں ہیں؟ ہمارے دلوں میں اس کی یادِ غم اس درجہ کیوں ہے؟

کیا اس لئے کہ کچھ مظلوم افراد کو نہایت بیدردی اور سفاکی سے قتل کیا گیا؟ یا اس لئے کہ پیغمبر کی اولاد سے یہ سلوک ہوا؟ لیکن افسوس ان دونوں میں سے کوئی بات اس قدر موجبِ غم و الم نہیں ہو سکتی۔ اگر اس بے پناہ سوز و تپش اور عالمگیر حزن و ملال کی یہی پہلی وجہ ہے تو کیا اب تک کروڑ ہا مظلوم افراد کو اسی بے دردی و سفاکی سے قتل نہیں کیا گیا؟ کیا اب بھی یہ سلسلۂ بہیمیت جاری نہیں ہے؟ کیا ہم نے اُن پر بھی اسی طرح آنسوؤں کا سیلاب بہایا ہے؟ کیا ہم نے کبھی اس طرح کا اظہارِ ہمدردی اُن سے بھی کیا ہے؟ اگر یہ بات نہیں اور دوسری وجہ ہے، تو سوال ہے کہ کیا کسی پیغمبر کی اولاد کی موت پر ہم نے اس طرح صفِ ماتم بچھائی ہے؟ حضرت نوح ؑ کا ناخلف بیٹا جب طوفان کی نذر ہوا تو کیا کوئی آنکھ اشکبار ہوئی؟ حضرت لوطؑ کی نافرمان بیوی جب لقمۂ اجل بنی تو کیا کسی کا دل پسیجا؟ —— باوجود قرابتِ پیغمبر کے نہ اُن پر آسمان رویا نہ زمین نے کوئی آہ بھری

درسِ عبرت و موعظت

لہٰذا اگر اس واقعۂ فاجعہ کا کوئی مؤثر ہے تو وہ یہ کہ نبی کا نواسہ بے سر و سامانی کی حالت میں "**باطل سے نبرد آزما ہوا اور دعوتِ حق دیتا ہوا**" نہایت مظلومیت کی حالت میں شہید ہوا —— وہ باوفا نواسہ اپنے اس کارزارِ یادگار میں ہمارے لئے سامانِ ماتم سے زیادہ درسِ عبرت و موعظت چھوڑ گیا ہے!

خداوند تعالےٰ نے کسی کی ذات میں کوئی بڑائی نہیں رکھی ہے اگر کوئی قابلِ تعریف ہے تو صرف اپنے نیک اعمال سے اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ۔ یہی عمل ہے جس کی بدولت کسی کی ہستی قوموں کے لئے باعثِ افتخار بن جاتی ہے، اور آئندہ نسلیں اس کی زندگی بطورِ نمونہ پیشِ نظر رکھتی ہیں اور اسی عمل کے باعث کوئی شخص ننگِ قوم و وطن اور موجبِ عارِ زمیں قرار پاتا ہے۔

حضرت حسین رضؓ نے یہ معرکہ سر لے کر ہمارے لئے ایک اُسوہ چھوڑا، جو زندہ دل قوموں کے لئے تا قیامت کافی ہے۔ اُنھوں نے واضح طور پر بتا دیا کہ باطل کی حکومت کسی طرح قابلِ برداشت نہیں، خواہ ہم کتنے ہی کمزور اور بے کس ہوں قصرِ ظلم و استبداد کو بہر صورت مٹنا چاہئے خواہ اُس کے مٹانے میں ہم ہی مٹ جائیں کہ ہمارا مقصدِ زندگی عدل و انصاف کا قیام ہے۔ ہمیں آپ نے یہ درس دیا کہ معرکۂ حق و باطل میں ہر قسم کی جانی و مالی قربانی کے لئے سربکف رہنا مسلمان کا فرضِ اولین ہے خواہ اپنے اہل و عیال حتیٰ کہ بچوں کو بھی کیوں نہ قربان کرنا پڑے۔ (باقی بر صفحہ [illegible])

تفسیر قرآن

سورۃ البقرہ

(۱۹)

(خواجہ محمد عبد الحیّ، فاروقی)

جُہلائے یہود کی حالت

اِن آیتوں میں یہودی عالموں کی چند کمزوریاں بیان کی ہیں، مسلمانوں کو خیال ہوسکتا تھا کہ اگر عالم ہمارا ساتھ نہ دیں گے، تو شاید جاہل اس طرف رُخ کریں اور تکثیرِ سوادہی کا فائدہ حاصل ہو۔ اگلی آیت میں اِن جاہلوں کے خیالات کا تذکرہ ہے۔ پس جن لوگوں کے افکار وخیالات اِس قسم کے ہوں اُن سے کسی قسم کی توقع رکھنا فضول ہے۔

(۷۸) وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِيَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ○

(اور ایک اُن میں جاہل ہیں، جو کتاب کی تو خبر نہیں رکھتے، مگر آرزوئیں بنا رکھی ہیں، اور اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ گمان کرتے ہیں)۔

اَمَانِيَّ "امنیة" کی جمع ہے۔ جس کے معنی "تلاوت" کے ہیں، ایک شاعر کہتا ہے ؎

تمنی کتاب اللہ اول لیلته
تمنی داؤد الزبور علی رسل

یعنی جاہل توراۃ پڑھتے ہیں، مگر مفہوم و مطلب سے کوئی غرض نہیں، صرف الفاظ پر قناعت کرتے ہیں اور طوطے کی طرح رٹ لیتے ہیں، باوجود اِس کے یقین رکھتے ہیں کہ جنّت میں داخل ہوں گے۔ معنی سمجھے بغیر کتابِ الٰہی کس کام آسکتی ہے۔

بعض لوگوں نے اِس کے معنی آرزو اور خواہش کے لئے ہیں:

گویا لکھنا پڑھنا جانتے نہیں، مگر خواہشات بڑی بڑی ہیں، اپنے علماء سے جو کچھ سُن رکھا ہے اُسی کو مایۂ ناز وسرمایۂ آخرت تصوّر کرتے ہیں، ان کی آرزوہائے باطلہ ملاحظہ ہوں، کہ جنّت میں یہودی اور نصرانی کے سوا دوسرا کوئی شخص نہیں جاسکتا: لن یدخل الجنّة الا من کان هودا او نصاریٰ (۲: ۱۱۱) اگر بہ فرضِ محال یہودی جہنّم میں گئے بھی تو صرف چند روز کے لئے۔ وقالوا لن تمسّنا النّار الّا ایّاما معدودة (۲: ۸۰)

اِس قسم کے خیالاتِ فاسدہ ہیں جو اُن کو خوش رکھتے ہیں حالانکہ جنّت میں جانے کا قاعدہ یہ ہے کہ صرف ایک اللہ کی غلامی کی جائے اور قلبِ سلیم لے کر اُس حضور میں حاضر ہو: الا من اتی اللہ بقلب سلیم (۲۶: ۸۹) نیز فرمایا: بَلٰى مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔ [لہ] (۲: ۱۱۲):-

---

لہ دونوں امراض مسلمانوں میں موجود ہیں۔ عام دستور ہے کہ فجر کی نماز کے بعد مفہوم سمجھے بغیر ایک دو جزو پڑھ لیں گے۔ اور اِس پر اپنے آپ کو ثواب کا مستحق خیال کریں گے۔ تفسیر کے ابتدائی مراحل میں ذکر آچکا ہے کہ صحابہ رضؓ کا طرزِ عمل قرآن کے متعلق کیا تھا۔ حضرت عمر رضؓ نے آٹھ سال میں سورۂ بقرہ ختم کی۔ خود صاحبِ وحی و الہام رات رات بھر ایک آیت میں صرف کر دیتے:

فاین الثریا واین الثری ÷ واین معاویة من علی

(باقی بر صفحہ ۴)

(۷۹) فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَٰذَا مِنْ عِندِ اللَّهِ لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۖ فَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا يَكْسِبُونَ ○

(پس ان لوگوں کے لئے خرابی ہے جو اپنے ہاتھ سے کتاب لکھتے ہیں پھر کہتے ہیں یہ اللہ کے پاس سے ہے تاکہ اس کے عوض میں تھوڑی سی قیمت لیں، پس خرابی ہے اُن کے لئے کہ ان کے ہاتھوں نے لکھا، اور خرابی ہے، ان کے لئے کہ اس کو پیشہ بنا لیا)۔

اُس زمانہ میں دستور یہ تھا کہ کتابِ الٰہی کی آیات کے ساتھ اہلِ علم اپنے تفسیری نوٹ اور حواشی بھی لکھ لیا کرتے تھے، آیت میں اور اُن جُملوں میں کسی قسم کا فرق و امتیاز نہ رکھتے تھے اور اِس لئے دوسرا شخص دونوں میں تمیز نہ کر سکتا تھا۔ جب عوام ان سے کوئی مسئلہ پوچھتے، تو یہ اُن حواشی کو دیکھ کر جواب دیدیتے، اور کہتے کہ یہی خدا کا حکم ہے، حالانکہ وہ اُن کی اپنی خواہشات اور ابلیسی الہامات کا آئینہ ہوتا تھا، اور یہ شیطنت صرف اِس لئے کی جاتی تھی کہ رؤسائے قوم کے یہاں اُن کو قدر و منزلت نصیب ہو، دولت ہاتھ آئے اور ہر جگہ آؤ بھگت ہو، قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ، اگر دنیا کے تمام خزائن بھی ایک شخص کے قبضہ میں آجائیں تو یہ بھی اُس کی خواہشات کو پورا نہ کر سکیں گے۔ کیونکہ آرزوؤں کا سلسلہ دراز تر ہوتا جائے گا۔

"وَيْلٌ" کا لفظ قرآن حکیم میں تین معانی کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔

(الف) اگر گناہوں کی حالت ابتدائی ہے، تو ویل کے معنی افسوس کے ہوں گے، ایک شریف انسان کے لئے اتنا بھی بہت ہوتا ہے۔

(ب) درمیانی حالت میں اِس کا مفہوم تباہی اور بربادی ہوگا

(ج) اور آخری حالت میں اِس سے دوزخ مُراد لی جائے گی۔

نجات کا قانون

(۸۰) وَقَالُوا لَن تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَةً ۚ قُلْ أَتَّخَذْتُمْ عِندَ اللَّهِ عَهْدًا فَلَن يُخْلِفَ اللَّهُ عَهْدَهُ ۖ أَمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ○

(اور کہتے ہیں کہ ہم کو سوائے گنتی کے چند روز کے آگ نہ لگے گی ان سے پوچھو کیا تم نے اللہ سے کوئی عہد لیا ہے کہ اللہ اپنے قول کے خلاف نہ کرے گا، یا جاننے کے بغیر اللہ پر جھوٹ بولتے ہو؟)

کہتے ہیں کہ یہودی خواہ کتنا ہی گنہگار کیوں نہ ہو، کبھی جہنم میں داخل نہ ہوگا۔ البتہ مجرموں کے لئے چند روز کا عذاب ضروری ہے۔ تعدادِ ایام کے متعلق روایات مختلف ہیں، بعض سات روز کہتے ہیں، بعض کا عقیدہ چالیس۴۰ ایام کا ہے اور گیارہ ماہ یا ایک سال سے زیادہ تو کسی کا بھی عقیدہ نہیں۔

عیسائی کہتے ہیں کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام صرف اِس لئے سولی پر چڑھے کہ تمام بدکاروں کے لئے کفارہ بن جائیں۔ اَب جو شخص بھی اُن پر ایمان لے آئے گا، اُس پر دوزخ کی آگ حرام ہوگی[۱]

اللہ تعالیٰ کے حضور میں کوئی چیز کام نہ آئے گی، اُس کے دربار میں مجازاتِ عمل کا قانون یہ ہے:۔

(۸۱) بَلَىٰ مَن كَسَبَ سَيِّئَةً وَأَحَاطَتْ بِهِ خَطِيئَتُهُ

(بقیہ صفحہ گذشتہ) یہی حال مسلمانوں کے عقائد کا ہے، اعمالِ صالحہ سے اجتناب، اخلاقِ فاضلہ سے پرہیز، بدعات و محدثات میں مبتلا، اور جنت کے ٹھیکیدار:

وسوف تری اذا انکشف الغبار
افرس تحتک ام حمار

[۱] یہی عقیدہ اب مسلمانوں میں اب راسخ ہوتا جاتا ہے، جس نے امام حسینؓ کے عشق میں دو آنسو بہا دیئے، جو شیخ عبدالقادرؒ کے سلسلہ میں داخل ہو گیا وہ کبھی دوزخ میں (باقی بر صفحہ ۵)

فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○ (۸۲) وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○

(کیوں نہیں، جس نے گناہ کمایا، اور اُس کو اس کے گناہ نے گھیر لیا، یہی لوگ دوزخ کے ہیں، اسی میں ہمیشہ رہیں گے، اور جو ایمان لائے اور نیک کام کئے، وہی جنت کے لوگ ہیں، اسی میں ہمیشہ رہیں گے)۔

جب ایک شخص بدی کا مرتکب ہو، اور اُس سے بچنے کی کوشش نہ کرے بلکہ اور زیادہ لذّت و حظِ نفس محسوس کرے، تا آنکہ ہدایت و رُشد کے تمام راستے بند ہو جائیں۔ تو یہ شخص بداخلاقی کی آگ سے کبھی محفوظ نہیں رہ سکتا، اور بڑی سے بڑی طاقت بھی اُس کی نجات کا ذمہ نہیں لے سکتی، صرف اعمالِ صالحہ ہی سعادتِ اُخروی کی کفالت کرتے ہیں فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ○ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ○ (۹۹: ۷ و ۸) اور فیصلہ یہ ہوگا: فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ ○ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ○ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ○ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ○ وَمَا اَدْرٰىكَ مَا هِيَهْ ○ نَارٌ حَامِيَةٌ ○

(۱۰۱: ۶، ۷، ۸ و ۹)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انما ھی اعمالکم ترد علیکم فمن وجد خیرا فلیحمد اللہ ومن وجد غیر ذلک فلا یلومن الا نفسہ۔ یہ تمہارے اپنے اعمال ہیں، جن کا احتساب تم سے کیا جارہا ہے، اگر حسن ثواب ملا تو خدا کا شکر ادا کرو، ورنہ تم خود ملامت کے قابل ہو۔

عہود و مواثیق

اب تک یہودیوں کی غلط کاریاں ذکر کیں، علمائے کے امراض پر اُصولی بحث کی، اور اُن کے عقائدِ باطلہ کی تردید کی۔ آئندہ بتایا جاتا ہے کہ انھوں نے حضرت موسٰے علیہ السلام کی معرفت خداوندِ قدوس سے جو عہد و پیمان کیا تھا، اُس کا کیا حشر ہوا؟

(۸۳) وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ○

(اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے اقرار لیا کہ اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کرنا۔ ماں، باپ اور رشتہ دار اور یتیم اور مسکین سے نیک سلوک

(بقیہ صفحہ گذشتہ) نہ جائے گا۔ یہ خیالاتِ فاسدہ یہودیوں اور عیسائیوں سے مسلمانوں میں آئے اور اب مسلمان اس پر اپنا دعویٰ جمائے بیٹھے ہیں۔

قرآنِ حکیم نے اگر ایک طرف کفار کا ابطال کیا لا تزر وازرۃ وزر اخریٰ تو دوسری جانب یہ بھی بتا دیا کہ کسی بزرگ کی اولاد میں سے ہونا، یا کسی ولی کی طرف منسوب ہونا نجات کا باعث نہیں ہو سکتا۔ نجاتِ دنیوی و اُخروی کے لئے عملِ صالح اور ایمان باللہ کی ضرورت ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ حضرت نوحؑ جیسے جلیل القدر پیغمبر نے اپنے بیٹے کی نجات کے لئے اللہ تعالیٰ سے التجا کی تو وہاں سے جواب ملا انہ لیس من اھلک، انہ عمل غیر صالح (۱۱: ۴۸) تمہیں یہ بھی یاد ہوگا کہ حضرات نوحؑ و لوطؑ کی بیویوں کو صرف اِس لئے جہنم میں بھیجا گیا کہ اُنھوں نے عملِ صالح کو اپنے پاؤں سے ٹھکرا دیا۔ اور پیغمبروں کی رشتہ داری کے گھمنڈ میں مغرور ہو گئیں۔ تم اِس کو بھی نہیں بھولے کہ جب رسول اللہ صلعم نے کوہِ صفا پر تمام قبائلِ مکہ کو بلا کر اُن کے سامنے دعوتِ حق پیش کی تو اُس خطبہ کے آخری الفاظ کیا تھے؟ یا فاطمۃ بنت محمد انقذی نفسک من النار فانی لا املک لک ضرا ولا نفعا۔ اے فاطمہ، احمد کی بیٹی، اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچا لے اِس لئے کہ میں تیرے نفع اور ضرر کا ذرہ برابر بھی مالک نہیں ہوں؛ پھر یہ کس درجہ جہل و نادانی ہے کہ بزرگوں کے نام لیوا ہونے کی بنا پر نجات کے دعوے دار بنتے ہیں، اور دل ایمان سے خالی ہیں +

کرنا اور لوگوں کو نیک بات کہنا اور نماز پڑھنا اور زکوٰۃ دینا، پھر تم میں سے تھوڑے آدمیوں کے سوا باقی سب پھر بیٹھے اور تم کو دھیان نہیں)۔

بنی اسرائیل سے حسب ذیل باتوں کا عہد لیا گیا تھا:

(۱) اللہ کے سوا کسی دوسرے کی غلامی نہ کریں، اپنی ضروریاتِ زندگی میں اُسی سے طالبِ اعانت ہوں، اور سب سے باغی بن کر اُس کی ایک اطاعت کا جُوا اپنی گردن میں ڈال لیں تاکہ سب کے سامنے سربلند ہوں، "میرے حضور تیرے لئے دوسرا خدا نہ ہو، تو اپنے لئے کوئی صورت یا کسی چیز کی صورت جو اوپر آسمان پر یا نیچے زمین پر یا پانی میں زمین کے نیچے ہے مت بنا، تو اُن کے آگے اپنے تئیں مت جھکا اور نہ اُن کی عبادت کر، کیونکہ میں خداوند تیرا غیور خدا ہوں۔ (خروج ۲۰: ۳، ۵)"

(۲) چونکہ اللہ کے بعد شانِ ربوبیت میں والدین ہی ہوتے ہیں، عاصی و نافرمان بردار اولاد پر احسان کرنے سے جی نہیں چُراتے اور اپنی اولاد کے لئے ہر کمال کے آرزومند رہتے ہیں، اِس لئے اُن کے ساتھ برو احسان کا حکم دیا۔ "تو اپنے ماں باپ کو عزت دے تاکہ تیری عمر اس زمین پر جو خداوند تیرا خدا تجھے دیتا ہے دراز ہو۔ (خروج ۲۰: ۱۲)"

قرآنِ حکیم نے اِس پر اور زیادہ زور دیا۔ ایک جگہ فرمایا:

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰـهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۝ (۱۷: ۲۴ و ۲۵)

(اور تمہارے پروردگار نے حکمِ قطعی دیدیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا اور والدین کے ساتھ حُسنِ سلوک سے پیش آنا۔ اگر والدین میں کا ایک یا دونوں تیرے سامنے بڑھاپے کو پہنچیں، تو اُن کے آگے ہُوں بھی نہ کرنا، اور نہ اُن کو جھڑکنا، اور اُن سے کہنا تو ادب سے کہنا۔ اور محبت سے خاکساری کا پہلو اُن کے آگے جھکائے رکھنا، اور دُعا کرتے رہنا کہ اے میرے پروردگار جس طرح انھوں نے مجھے چھوٹے سے کو پالا ہے اِسی طرح تو بھی اُن پر رحم کیجیو)۔

(۳) عزیزوں اور رشتہ داروں کے ساتھ حُسنِ سلوک سے پیش آنا۔ یہ بھی دراصل ماں باپ کی محبت کا ایک جُزو ہوتا ہے، اور وہ صلہ رحمی کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں۔ "اور ان میں سے جو میرے دوست ہیں اور میرے حکموں کو یاد رکھتے ہیں، ہزاروں پر رحم کرتا ہوں۔"

(استثناء، ۵: ۲۰)

(۴) یتامیٰ اور مساکین کی نصرت و اعانت "اور لاوی اِس لئے کہ اُس کا کوئی حصہ اور میراث تیرے ساتھ نہیں، اور مسافر اور یتیم اور بیوہ جو تیرے پھاٹکوں کے اندر ہیں آویں اور کھاویں، اور سیر ہو دیں۔"

(استثناء، ۱۴: ۲۹)

(۵) اُن پر یہ بھی لازم کر دیا کہ، لوگوں سے ہمیشہ اچھی بات کہیں اور نماز و زکوٰۃ کی پابندی کریں۔ مگر تم اُن میں پورے نہ اُترے۔

(۸۴) وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَاۗءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ۝ (۸۵) ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَاۗءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ ۡ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۭ وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْھُمْ وَھُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ ۭ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَاۗءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا

تَعْمَلُوْنَ ○ (۸۶) اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ زفَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ○

(جب ہم نے تم سے قول لیا کہ آپس میں خون نہ کرنا، اور نہ اپنے لوگوں کو اپنے شہروں سے جلا وطن کرنا، پھر تم نے اقرار کیا، اور تم اقرار کرتے ہو، پھر وہی تم ہو کہ اپنوں کو قتل کرتے ہو، اور نیز اپنوں میں سے کچھ لوگوں کے مقابلہ میں ناحق اور زبردستی ایک دوسرے کے مددگار بن کر ان کو اُن کے شہروں سے جلا وطن کرتے ہو، اور اگر وہی لوگ قید ہو کر تمھارے پاس آویں، تو فدیہ دے کر ان کو چھوڑا لیتے ہو، حالانکہ اُن کا نکال دینا ہی تم پر حرام تھا۔ تو کیا تھوڑی سی کتاب مانتے ہو، اور تھوڑی سی کا انکار کرتے ہو، پھر جو کوئی تم میں سے یہ کام کرے، اس کی اس کے سوا اور کچھ سزا نہیں کہ دنیا کی زندگی میں رسوا ہو، اور قیامت کے دن سخت سے سخت عذاب کی طرف لوٹائے جائیں، اور تمھارے کاموں سے اللہ بے خبر نہیں۔ یہی ہیں جنھوں نے آخرت دے کر دنیا کی زندگی خریدی ہو نہ تو ان کے لئے عذاب ہی ہلکا کیا جائے گا، اور نہ اُن کو مدد پہنچے گی)۔

علاوہ اِن عہود و مواثیق کے، جن کا ذکر گزشتہ آیت میں گزر چکا ہے، ان سے تین اور باتوں کا بھی اقرار لیا گیا تھا،

(الف) خانہ جنگی کر کے باہم خون ریزی نہ کرنا کہ اس سے تمھاری اجتماعی قوت کو نقصان پہنچے گا، اور حیاتِ قومی فنا ہو جائے گی۔

(ب) اپنے عزیزوں کو ترکِ وطن پر مجبور نہ کرنا کہ اِدھر تو تمھاری جماعت روز بروز کم ہوتی جائے گی، اور اُس طرف وہ جلا وطنی کی مصیبتوں اور تکلیفوں سے تنگ آ کر تمھارے دشمنوں کے ساتھ سازش کر لیں گے اور اِس طرح غیروں کو تم پر حملہ کرنے اور تمھیں غلام بنانے میں آسانیاں پیدا کر دیں گے۔

(ج) اپنی قوم میں سے کسی کو گرفتار ہوتا دیکھو، تو فدیہ ادا کر کے اُسے چھڑا لینا۔

ان لوگوں نے پہلے دو حکموں کی تو پروا نہ کی، مگر تیسرے کے لئے خوب اہتمام کرتے۔ واقعہ یہ ہے کہ مدینہ میں اوس اور خزرج کی دو قومیں بستی تھیں، جن کی ہمیشہ آپس میں جنگ رہتی، شہر کے اطراف میں یہودیوں کے بھی دو قبیلے آباد تھے۔ بنو نضیر اور بنو قریظہ، ان میں سے اوس اور بنو قریظہ باہم ایک دوسرے کے حلیف تھے۔ ایسے ہی خزرج اور بنو نضیر آپس میں معاہد تھے۔ جب کبھی اوس اور خزرج میں جنگ ہوتی، تو ان قبائل کو بھی بوجہ دوستی اور حلافت کے ان کی مدد کرنی پڑتی پھر جنگ کے نتائج میں جہاں اوس و خزرج بے خانماں برباد ہوتے، بنو قریظہ اور بنو نضیر بھی اس مصیبت سے محفوظ نہ رہ سکتے۔ اور یہ بالکل ظاہر بات ہے کہ بنو نضیر کے اخراج میں بنو قریظہ کا دخل ہوتا تھا۔ اور بنو قریظہ کی جلا وطنی میں بنو نضیر حصہ دار ہوتے تھے۔ البتہ اتنا ضرور تھا کہ جب ایک جماعت میں سے کوئی اسیر ہو جاتا تو ہر جماعت اپنے دوستوں کو مال سے راضی کر کے قیدی کو رہا کر دیتی، اگر کوئی ان کی اِس حرکت پر اعتراض کرتا تو کہتے کہ اسیر کا رہا کرنا ہمارا مذہبی فرض ہے۔ اور جب لوگ یہ کہتے کہ قتل و اخراج میں تم نے کیوں دشمنوں کی مدد کی؟ تو اُن کا جواب یہ ہوتا کہ، دوستوں کا ساتھ نہ دینا عار اور ننگ کی بات ہے۔

اِس بیہودہ حرکت پر انھیں کہا گیا کہ مرض بھی برابر پیدا کرتے رہیں، اور علاج بھی جاری رکھیں، یہ کہاں کی دانشمندی ہے، اِس طرح کبھی مرض نہیں زائل ہوا کرتا، پس ایسے لوگوں کی سزا اِس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ وہ ہمیشہ کے لئے دنیا میں ذلیل کر دیئے جائیں اور کبھی اُنھیں عزت نصیب نہ ہو۔ چنانچہ بنو نضیر کو رسول اللہ ؐ نے ملک شام کی طرف جلا وطن کر دیا۔ بنو قریظہ کے مَردوں کو قتل کیا اور عورتوں، بچوں کو لونڈی غلام بنا لیا۔ سچ ہے ایسے لوگوں کی سزا میں نہ تو کسی قسم کی تخفیف ہو سکتی ہے، اور نہ کوئی اُن کی طرفداری کر سکتا ہے

ہمیشہ سے عادت ہے

(۸۷) وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ
بِالرُّسُلِ ز وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ
بِرُوْحِ الْقُدُسِ ط اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى
اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ ز وَفَرِيْقًا
تَقْتُلُوْنَ ○

(اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی، اور اُن کے بعد پے در پے رسول بھیجے اور مریم کے بیٹے عیسیٰ کو صریح معجزے دیئے اور پاک روح سے اُن کی امداد کی، تو کیا جب تمہارے پاس کوئی رسول تمہاری خواہش کے خلاف کوئی حکم لے کر آیا، تم تکبر کرنے لگے، پھر ایک جماعت کو جھٹلایا اور ایک جماعت کو قتل کرتے)

اگر ایک قوم سے احیاناً غلطی ہو تو درگزر کیا جاسکتا ہے مگر جس کی صدیوں سے یہی کیفیت ہو، اُس کے لئے بہترین فیصلہ یہی ہے کہ اس کے ہاتھ سے ہمیشہ کے لئے تلوار چھین لی جائے اور نوعِ انسانی کا ہر فرزند اس بدبخت قوم سے نفرت کرے۔

بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ نوعِ انسانی پر معاش و معاد کے اعتبار سے کوئی بہت بڑی مصیبت نازل ہونے والی ہوتی ہے اگر پہلے سے اس کا سدِباب نہ کیا گیا تو نسلِ انسانی فنا ہو جائے گی، اس وقت "حظیرۃ القدس" میں "ملاءِ اعلیٰ" کے تمام فرشتوں کا اجتماع ہوتا ہے، آپس میں مشورہ کرتے ہیں کہ بنی آدم کو اِس داہیۂ کبریٰ سے، کسی نہ کسی طرح بچانا ضروری ہے، اِس بحث و مشورہ کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نوعِ انسانی میں جو شخص ہر اعتبار سے بہترین ہو، اس کا انتخاب عمل میں آتا ہے، اور تمام ہمت اس کی تعلیم و تربیت میں صرف کیجاتی ہے، اس کے احکام و اوامر نافذ کرنے کے لئے مختلف صورتیں اختیار کی جاتی ہیں۔ اربابِ فہم و فراست کے قلوب میں الہام کیا جاتا ہے کہ اس کے لئے بکسر اطاعت و انقیاد بن جائیں، اور اِس طرح یہ پاک اور مزکّی گروہ "امّۃ اخرجت للنّاس" کی مصداق ہو۔

ازکی خلق اللہ کا قلب اب ان "ملائکۃ الرحمٰن" کے وحی و الہام کا مورد بن جاتا ہے، اس کے دل میں ایسے خیالات و افکار پیدا کئے جاتے ہیں، جو اس مّلت کی رُشد و ہدایت اور فلاح و کامرانی کا باعث ہوں۔ کبھی تو وحی و الہام سے اس کی اعانت ہوتی ہے، کبھی رویائے صادقہ مدد کا باعث بن جاتے ہیں۔ اور بعض اوقات ہاتفِ غیبی سے نصرت و یاوری ہوتی ہے، ایسا بھی ہوا ہے کہ فرشتوں نے آکر اس سے بالمشافہ گفتگو کی ہو۔

فرشتوں کی یہ جماعت اس "ازکی خلق اللہ" کے دوستوں اور مددگاروں کی امداد و اعانت کو اپنا فرضِ اوّلین خیال کرتی ہے ہر خیر و برکت سے انھیں حصہ دیا جاتا ہے، مگر جو لوگ اس کے مخالف ہوں، اُن کو رحمت سے دور کردیا جاتا ہے، ہر تکلیف و مصیبت ان پر طاری کی جاتی ہے کہ اُن کی ہمتیں پست ہوں اور دنیا و آخرت میں انھیں ذلت و رُسوائی نصیب ہو۔

نبوت کے اُصول و کلیات تو بہت کثرت سے ہیں، مگر "ملاءِ اعلیٰ" کا اجماع بھی اُن میں سے ایک اصل ہے، اِسی اجماع کا نام شریعت کی اصطلاح میں "تائید روح القدس" ہے، جب اس کی خیر و برکت کسی نفسِ ذکی کے شاملِ حال ہو، تو اس سے اِس قدر عجیب و غریب برکات کا اظہار ہوتا ہے کہ عادتاً ان کا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔ انھیں برکات کو معجزات سے تعبیر کرتے ہیں۔

یہی وہ "تائید روح القدس" ہے جس کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے، اسی لئے حضرت عیسیٰ علیہ السّلام سے معجزات بکثرت ظہور میں آئے ✣

قصص القرآن

یُوسُف علیہ السّلام

(۲)

(محمد احمد)

ایک نئی آزمائش

یوسف علیہ السلام کنویں کی مصیبت سے رہا ہو کر عزیز کے گھر چین کی زندگی گزار رہے تھے کہ اتنے میں اُن کے لئے ایک نئی مصیبت کا دور شروع ہو گیا۔ یہ وہ دور تھا، جس سے اُن کے عزم میں قوت پیدا ہوئی، اور اللہ سے تقرب کا شرف حاصل ہوا۔ ان پر یہ آفت مقدرات کے ہاتھوں اُن کے حُسن و جمال کی راہ سے نازل ہوئی، اِس کا ظاہری باعث حضرت یوسفؑ کی اُٹھتی جوانی اور تر و تازہ شباب تھا۔ جس کی وجہ سے یہ طویل زمانے تک مصیبتوں اور بلاؤں میں مبتلا رہے ؎

وَكَمْ رَمَتْ قَسَمَاتُ الْحُسْنِ صَاحِبَهَا
وَأَتْعَبَتْ قَصَبَاتُ السَّبْقِ حَاوِيهَا
وَزَهْرَةُ الرَّوضِ لَوْلَا حُسْنُ رَوْنَقِهَا
لَمَا اسْتَطَالَتْ عَلَيْهَا كَفُّ جَانِيهَا

دوسرے الفاظ میں یوں سمجھئے کہ ؎

کھائی ہیں کیا کیا حسینوں نے جہاں میں ٹھوکریں
لے گئے جو حُسن میں بازی، نہ راحت میں رہے
باغ کے پھولوں میں گر شادابی و رونق نہ ہو
کیوں بڑھائے ہاتھ کوئی اُن کے چننے کے لئے

حضرت یوسفؑ نے اپنا کام شروع کیا، تو گھر والوں میں گھل مِل جانے اور ان کے امور میں حصہ لینے کی بدولت، ان کی احتیاط، عقلمندی، امانت اور پاکیزگی کی صفات ظاہر ہوئیں، جن کی وجہ سے عزیز کے اعتبار و اعتماد میں اضافہ ہوا، اس نے انھیں بالکل گھر والوں ہی میں داخل کر لیا اور ان کو شرفاء کا درجہ دے کر اُن سے ایسی محبت اور اتنا اچھا سلوک کرنے لگا، جیسا نیک اور خوش کردار بیٹوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

زوجۂ عزیزِ مصر کی یوسفؑ سے محبّت

اب دن گزرتے گئے اور یوسف علیہ السلام پر جوانی کی بہار آنے لگی۔ کم سنی کا دور ختم ہوا، شباب کا زمانہ آیا۔ تھوڑے ہی دنوں میں عزیز کی بیوی کو اس لڑکے کے ساتھ ایک خاص لگاؤ پیدا ہو گیا۔ اور وہ صبح و شام ان کے اُٹھنے بیٹھنے، سونے جاگنے، کھانے پینے وغیرہ ہر نقل و حرکت پر نظر رکھنے لگی۔ حضرت یوسفؑ کی پوشیدہ خوبیاں اور زندگی کی قوی صفات اس عورت پر خصوصیت کے ساتھ کھلنے لگیں۔ اُس نے محسوس کیا کہ یوسفؑ کی محبت اُس کے دل میں جڑ پکڑ رہی ہے اور خون بن کر رگوں میں رواں ہے۔ اُسے تنہائی میں یوسفؑ کے وسوسے اور ان کی تمنّا ستانے لگی۔ مگر اُس نے سوچا کہ میں تو عزیز کی بیوی ہوں اور مصر میں جو میرا مقام ہے، ظاہر ہے مصر میں جو میرے شوہر کا درجہ ہے وہی میرا ہے، اِس لئے بہتر یہی ہے کہ اپنی خواہشوں پر غلبہ پاؤں اور یوسفؑ کی محبّت سے باز آؤں، مگر جب بھی اس کی نظر یوسفؑ پر جا پڑتی، اُس کا دل اُن پر مائل ہو جاتا اور محبت پہلے سے زیادہ زور پکڑ لیتی۔

وَ اَشَدُّ مَا لُقِیْتُ مِنْ اَلَمِ الجَوٰی

قُرْبُ الحبیب وما الیہ وصولُ

کالعِیسِ فی البَیْدا ءِ یقتلھا الظّمَا

وَ الماءُ فوق ظھورِھا محمولُ

(دردِ عشق کے ہاتھوں مجھے سب سے زیادہ شدید چیز، دوست کی قربت معلوم ہوئی، اِس حال میں کہ اس تک رسائی میسّر نہیں۔ مرا حال ایسا ہی جیسے سفید اونٹ کا صحرا میں ہوتا ہے، جس پر پانی لدا ہوتا ہے اس کے باوجود پیاس اُسے مار ڈالتی ہے) ؎

اب اِس سے بڑھ کے ستم عاشقی میں کیا ہوگا
کہ پاس ہیں وہ مگر، میری دسترس میں نہیں

زوجۂ عزیز کا اظہارِ عشق اور حضرت یوسفؑ کا اِعراض

جب وہ محبت کے تقاضوں سے بہت تنگ آگئی اور غم و فکر میں اس کا بدن گھلنے لگا، تو اُس نے سوچا کہ نفس کی خواہش اس طرح پوری کرے کہ خود اپنے درجے سے گر کر ذلیل نہ ہونے پائے، اِس مقصد سے اُس نے یوسفؑ کو فتنے میں ڈالنے کے لئے طرح طرح کی تدبیروں کا جال پھیلایا، اور اپنے ارادے سے انھیں آگاہ بھی کر دیا۔ کہ شاید اُن کی نفسانی خواہش اِس طرح بھڑک اُٹھے۔ مگر حضرت یوسف علیہ السلام نے اس عورت کے کنایوں اور اشاروں سے مُنہ پھیر لیا۔ اور اس کے حسن و جمال کی طرف سے آنکھیں نیچی کر لیں۔ بھلا یوسفؑ کا دل جو کریم ابنِ کریم ابنِ کریم (شریف باپ دادا کی اولاد) تھے، ایک ایسی عورت کی طرف کیسے مائل ہو سکتا تھا جو ان کے لئے حرام تھی۔ وہ گناہ اور معصیت کی طرف کیسے جُھک سکتے تھے؟ پھر ایک بات یہ بھی تھی کہ عزیزِ مصر نے انھیں اپنی حمایت و سرپرستی میں لیا تھا۔ پوری فراخ دلی کے ساتھ ان پر بھروسہ کر کے انھیں گھر والوں کا امین اور معتمد علیہ بنایا تھا۔ ایسی صورت میں عزیز کے گھر میں خیانت کرنا یا اس کی بیوی کے معاملے میں عزیز کے ساتھ بدی کرنا کیا زیب دے سکتا تھا

حضرت یوسفؑ کی طلبی خلوت میں

مشکل یہ آپڑی تھی کہ یوسف علیہ السلام کے اعراض و انکار نے زوجۂ عزیز کی آتشِ شوق کو اور بھڑکا دیا، اُس کا یہ جذبہ پہلے سے دوگنی شدت اختیار کر گیا۔ اب اُس نے یہ سوچا کہ جو مقصد اشاروں سے حاصل نہ ہو سکا، اُس کے حاصل کرنے کے لئے زیادہ جُرأت دکھائے اور دل کی بات زبان پر لے آئے، کیونکہ اب اس سے یوسف کی دوری اور چشم پوشی برداشت نہ ہوتی تھی، چنانچہ اُس نے مُدعا پورا کرنے کے لئے، شاہی نشان اور تمغے وغیرہ اُتار پھینکے اور شکستہ دل محبت پیشہ عورتوں کا سا لباس پہن کر یوسفؑ کو خواب گاہ میں بلایا۔ اُنھیں تعمیلِ حکم کی عادت تھی ہی، فوراً پہنچے۔ اس کے بعد زوجۂ عزیز نے خواب گاہ کے پردے ڈال دیئے، دروازے بند کر لئے اور کہا:

"لو میں تمھارے لئے تیار ہوگئی"

حضرت یوسفؑ خدا کی یاد میں

لیکن یوسف علیہ السلام عنفوانِ شباب اور بھرپور جوانی سے مالامال ہونے کے باوجود، آخر حکمت کی فضا میں پروان چڑھے تھے، اُن کی آنکھیں رسالت و نبوت کے آغوش میں کھلی تھیں۔ اِس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے انھیں شرفِ نبوت کے لئے تیار کیا تھا (وَاللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ۔ اور اِس موقع کو اللہ ہی خوب جانتا ہے جہاں وہ اپنا پیغام بھیجتا ہے) اِدھر زوجۂ عزیز یہ سب کچھ کر رہی تھی۔ اور ان کا دل خدا کی یاد میں مشغول تھا۔ اس دل میں اِتنی جگہ ہی نہ تھی کہ کوئی عورت انھیں رجھا کر اس میں بار پا سکے، یا جسے نفسانی خواہشات اپنی طرف کھینچ سکیں، آپ نے اُسے جواب دیا:

"تمھارا جو ارادہ ہے، اُس سے خدا کی پناہ! میں اور تمھارے مطالبے

کے آگے سر جھکاؤں، اور اپنے آقا عزیز کی امانت میں خیانت کروں، وہ تو مجھے اتنی اچھی طرح رکھیں اور عزت و محبت سے پیش آئیں، اور میں اس طرح کفرانِ نعمت پر اُتر آؤں اور محسن کشی کر دوں۔ اگرچہ تم نے دروازے بند کر لئے اور پردے چھوڑ دیئے ہیں، مگر اللہ تو نگاہوں تک کی چوری کو جانتا ہے اور دلوں کے بھید سے آگاہ ہے۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا، کہ میرا دل خدا کی معصیت کے لئے تیار ہو یا ایسی بات کو گوارا کرلے، جس میں اُس کی ناراضگی اور غضب کا اندیشہ ہو، بے شک گناہ گار فلاح نہیں پاتے۔"

ذرا موقع کی نزاکت پر غور کیجئے۔ عزیز کی بیوی اپنی پوری شان و شوکت، اختیار و اقتدار اور ناز و ادا کے ساتھ اپنے یہاں کے نوجوانوں میں سے ایک جوان کو، بلکہ خادموں میں سے ایک خادم کو دعوت دیتی ہے، بُلاتی ہے اور وہ اس کی خواہش پوری کرنے سے انکار کر دیتا ہے غرور کرتا ہے اور پاک دامنی جتاتا ہے۔ اُس کا یہ رویہ کس کے ساتھ ہے؟ ایسی عورت کے ساتھ جو اپنے محل میں ہر قسم کے امر و نہی کا اختیار رکھتی ہے خادموں اور نوکروں پر حکمراں ہے، جس کی اطاعت ان لوگوں پر واجب ہے۔

بے شک یوسفؑ کی یہ جسارت اتنی بڑی تھی کہ عزیز کی بیوی اس تمام سطوت اور دبدبے کے ہوتے ہوئے اُس کی تاب نہیں لاسکتی تھی چنانچہ وہ غصّے سے بے قابو ہوگئی اور اُس نے چاہا کہ یوسفؑ کو گرفتار کرکے اپنی ضائع شدہ عزّت کے انتقام میں انھیں تکلیف پہنچائے، انھوں نے شرارت کا مقابلہ شرارت سے اور ضرب کا ضرب سے کرنا چاہا تھا مگر اسی وقت انھیں اپنے اندر نبوت کی روشنی کا احساس ہوا۔ انھوں نے اپنے دل میں اللہ کی حجّت نازل ہوتے دیکھی اور وحی کے ذریعہ یہ پیغام پہنچا:

"اس وقت بھاگ کھڑا ہونا لڑنے سے اور مصالحت، اُلجھنے سے بہتر ہے۔"

حضرت یوسفؑ نے وحیِ الٰہی کی تعمیل کی اور دوڑتے ہوئے دروازے کی طرف چلے، ساتھ ہی زوجۂ عزیز بھی اُن کے پیچھے دوڑی، یہاں تک کہ اس نے یوسفؑ کی قمیص پکڑ کے کھینچی، ابھی وہ دروازے تک بھی نہ پہنچے تھے کہ عزیز کو کھڑا دیکھا۔ اِس اثنا میں یوسفؑ کی قمیص پارہ پارہ ہو چکی تھی۔

حضرت یوسفؑ مقامِ اشتباہ میں

اس وقت حضرت یوسفؑ ایسی حالت میں تھے، جس میں شبہے اور تہمت و بہتان کی گنجائش نکلتی تھی۔ عزیز کی بیوی نے اِس موقع سے فائدہ اُٹھایا اور مکر و فریب کا سہارا لیا۔ یوسف علیہ السلام نے صاف گوئی اور سچائی کی پناہ لی۔ عزیز کی بیوی نے کہا:

"یوسفؑ نے تمھاری حرمت کا خیال نہیں رکھا اور میرے دامن کو آلودہ کرنے کا قصد کیا، مجھے رجھایا (مَا جَزَاءُ مَنْ أَرَادَ بِأَهْلِكَ سُوءًا إِلَّا أَن يُسْجَنَ أَوْ عَذَابٌ أَلِيمٌ۔ جو شخص تمھاری بیوی کے ساتھ بدی کا ارادہ کرے، اُس کی سزا اِس کے سوا کیا ہو سکتی ہے کہ اُسے قید کیا جائے یا دردناک سزا دی جائے)۔

یوسف علیہ السلام کو کھل کر بات کہنے اور اصل واقعہ کا اعتراف کرنے کے سوا کوئی صورت نظر نہ آئی، اِس لئے کہ عزیز کی بیوی نے جھوٹ بولنے اور تہمت لگانے میں بڑی جرأت دکھائی تھی۔ انھوں نے کہا:

"نہیں، اِسی نے مجھے رجھایا، میرے پاکیزہ کپڑے کو پکڑ کے کھینچا یہ دیکھئے، میری قمیص میرے دعوے کی سچائی پر گواہ ہے۔"

خلاصی کی صورت

ابھی یوسفؑ ان دونوں کے درمیان گفتگو کر ہی رہے تھے کہ، اتنے میں زوجۂ عزیز کا چچیرا بھائی اندر آیا۔ اور اُس نے یہ تمام ماجرا سُنکر

اصل واقعہ کو سمجھ لیا اور کہا:

"اگر یوسفؑ کی قمیص آگے کی طرف سے پھٹی ہوئی ہو تو سمجھو یہ سچ کہتی ہے اور یوسفؑ جھوٹے ہیں۔ اور اگر اُن کی قمیص پیچھے سے پھٹی ہو تو یوسفؑ کو سچا اور اِسے جھوٹا جاننا چاہئے۔"

جب عزیز نے یوسفؑ کی قمیص پیچھے سے پھٹی دیکھی، تو دُودھ کا دُودھ پانی کا پانی ہوگیا۔ اصحابِ نظر کے سامنے حق بات کھل گئی۔ یوسفؑ کی برأت ظاہر ہوگئی۔ اب عزیز اپنی بیوی کی طرف مُڑا، اور کہا:

"بے شبہہ یہ بات عورتوں کے جعل و فریب میں سے ہے، تو اپنے گناہ کی معافی مانگ، بے شک تو خطاکاروں میں سے ہے۔ اور اے یوسفؑ تم لوگوں سے بات چیت میں اپنی زبان قابو میں رکھو، ایسا نہ ہو کہ یہ بات کُھل جائے اور سب میں اُس کی شہرت ہونے لگے۔"

عورتوں میں یوسفؑ کے چرچے

شہر میں اور محلوں کے اطراف میں یہ بات عورتوں کی زبانوں پر پھیل گئی کہ:

"عزیز کی بیوی اپنے عبرانی غلام پر فریفتہ ہوگئی ہے، اس کی محبت میں مبتلا اور اُس کے حُسن و جمال پر شیدا ہے۔ اِسی شدّتِ عشق سے مجبور ہو کر وہ اپنے مرتبے سے ہٹ گئی، اور غلام کو دعوت دے کر اُس پر اپنے سحر اور فتنے کے تیر چلائے، مگر غلام نے اُس سے مُنہہ پھیر لیا۔ نہ اس کے ناز و انداز نے یوسفؑ کو لُبھایا۔ نہ وہ اُس کی خوبصورتی سے مرعوب ہوا۔ اِسی لئے اب وہ بدحواس اور بے چین سی رہتی ہے، اپنا بھید چُھپاتی ہے تو آنکھوں کے آنسو اُسے افشا کر دیتے ہیں عشق کو دبانے کی کوشش کرتی ہے تو بیمار پڑ جاتی ہے۔"

اَب اِن باتوں کے پر لگ گئے، ہوتے ہوتے عزیز کی بیوی تک کی خبر پہنچی، شہر والوں میں اس کی ہمجولیاں اس کی نسبت جو باتیں گھٹا بڑھا کر بیان کرتی رہتی تھیں، اُس نے ان کا حال سُنا۔ اس نے اس کے سوا کوئی چارہ نہ دیکھا کہ اس قول کی تردید کر کے ان کی زبانوں کی تلوار کو کُند کر دے اور ان کے مکر کا جواب بھی مکر ہی سے دے۔

زنانِ مصر کی دعوت

زوجۂ عزیز نے ایک خوش گوار دن دعوت کا انتظام کیا، اور مصر کی عورتوں کو مدعو کیا۔ ان کے لئے پُر تکلّف اور آرام دہ تخت اور گدے تکیئے وغیرہ مہیّا کئے۔ انھیں خلعت پہنائے اور ہر قسم کی نعمتیں اور تر و تازہ پھل منگوائے، پھر ان میں سے ہر ایک کو ایک ایک چُھری دیدی اِس کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام سے کہا:

"ان کے سامنے نکلو اور ان عورتوں کی صفوں کے درمیان چلو۔"

حضرت یوسفؑ اپنی خواب گاہ سے نکلے تو چہرے پر حیا کا غلبہ تھا۔ ایڑی سے چوٹی تک حُسن و جمال کا مجسّمہ بنے ہوئے تھے۔ عورتوں نے آنکھیں اُٹھائیں تو کیا دیکھتی ہیں کہ ایک نوجوان سامنے کھڑا ہے۔ مگر کیسا نوجوان؟ غیر معمولی حُسن و شباب سے بھرپور، درخشاں پیشانی روشن چہرہ، جس کے خد و خال سے فراخ دلی نمایاں ہے، تراش و خراش میں بلا کی شیرینی بھری ہوئی ہے، قد و قامت اور چہرہ مُہرہ قوت و شباب اور رعب و جلال سے معمور ہے۔ اِس دل کُش جمال کے ساتھ ہی طبیعت سے شرافت آشکارا ہے۔ اِس نظارہ نے مہمان عورتوں کو مبہوت کر دیا اور وہ جس کام میں لگی ہوئی تھیں، اُسے فراموش کر بیٹھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اُن کی عقل جاتی رہی ہے۔ اِسی عالمِ حیرت میں وہ چُھریاں پکڑے ہوئے تھیں، جو پھلوں کے بجائے اُن کے ہاتھوں پر چل گئیں اور اُن کے ہاتھ زخمی ہوگئے۔ وہ بے اختیار پکار اُٹھیں "سبحان اللہ! اس کی قدرت بھی کیا عجیب ہے (مَا هٰذَا بَشَرًا

اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ" - یہ تو انسان نہیں، ایک شریف فرشتہ ہے)

زوجۂ عزیز کا زنانِ مصر سے خطاب

عزیز مصر کی بیوی نے دونوں ہاتھوں سے تالی بجائی۔ ایسا معلوم ہوا جیسے اُس کے دل کا بوجھ اُتر گیا، غم جاتا رہا اور اُس نے کہا "یہی وہ یوسف ہے جس کی محبت پر تم نے مجھے ملامت کی اور طرح طرح کی باتیں لگاتی رہیں۔ تم نے اُسے تھوڑی ہی دیر تک دیکھا ہے، اس کے باوجود تمھارا یہ حال ہوا ہے۔ اِس کے بر خلاف میرے گھر میں تو وہ پروان چڑھا جوانی کو پہنچا اور میرے کانوں اور نگاہوں میں سماتا رہا۔ میں اُسے اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے، کھاتے پیتے دیکھتی رہتی ہوں۔ اس کی حرکات و سکنات میری نظر میں رہتی ہیں، دن رات اس کے ساتھ تنہا اُٹھنے بیٹھنے میں شریک رہی ہوں۔ تمھیں سوچو کہ اِن حالات میں میرے دل پر کیا بنتی ہوگی، اور مجھ پر تمھاری ملامت کیسے ہو سکتی ہے۔ میری یہ حالت ہے کہ میں اُسے اپنا بناؤ سنگھار اور حسن و جمال دکھاتی رہتی ہوں اس پر بھی وہ پاک بازی کی شان سے منہہ موڑ لیتا ہے، میری طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھتا اور کسی وقت بھی محبت اور التفات کے ساتھ میری جانب متوجہ نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کے اندر فرشتوں کی سی روح نہایت نمایاں انداز سے جلوہ دکھانے لگتی ہے۔ اور وہ پورے طور پر عبادتِ الٰہی کا پیکر بن کر رہ جاتا ہے۔

کیا ایسے صاحبِ اختیار شاہِ حسن کو فرماں بردار غلام کہا جائے؟ اور کیا ایسی مغلوب و مغتوب عورت حاکمہ و مالکہ کہنے کی سزاوار ہے؟ حکم دیتی ہے نہیں۔ بلکہ اشارہ کرتی ہے اور ایک حد تک اس کی اطاعت پائی، مگر جب وہ گناہ کی ترغیب دیتی ہے تو یوسف انکار کر دیتا ہے اس کا حکم رد کر دیا جاتا ہے۔ پھر وہ اپنے غلبہ اور اختیار کا اظہار کرتی ہے تو اس کا زور نہیں چلتا اور عاجز رہ جاتی ہے۔

"میں اِس بات کو تم سے نہیں چھپاتی کہ بے شک میں نے اسے گناہ کی ترغیب دی اور اس کے دل کو اپنی طرف کھینچا۔ مگر اس نے اِس خواہش کو پورا نہ کیا، پاکبازی سے کام لیا اور میری طرف سے رُوگردانی کی۔ اور میں یہ بھی نہیں چھپاتی کہ اب میں اس کے اعراض و انکار پر زیادہ صبر نہ کر سکوں گی۔ میرا دل قابو میں رہتا نظر نہیں آتا کیونکہ میرے اختیار کی باگ اس کے قبضے میں ہے، اُس نے میرے دل کو بندۂ بے دام بنا رکھا ہے اور میری آنکھوں سے نیند چھین لی ہے۔ میرا حال یہ ہے کہ میں نے اپنے آپ کو ذلیل کر رکھا ہے اور اپنی بات لوگوں کے سامنے ظاہر کرتی رہتی ہوں۔ اب تو میں نے یہ ٹھان لی ہے کہ اگر اُس نے میرا حکم نہ مانا اور جو کچھ میں کہتی ہوں وہ نہ کیا، تو اسے قید خانہ میں ڈلوا دوں گی اور یہ وہاں کی تاریکیوں میں سر پٹکتا اور مصیبت بھگتتا رہے گا یا اس کو ذلّت اور جسمانی اذیت کا مزہ چکھاؤں گی یہ دو صورتیں ہیں ان میں سے وہ جسے زیادہ آسان سمجھے اختیار کر سکتا ہے۔"

یوسفؑ کو زنانِ مصر کی فہمائش

مصر کی اِن عورتوں نے حضرت یوسفؑ کے بے پناہ حسن و جمال کی بہار اور اس کی آب و تاب دیکھی، اور عزیز کی بیوی کا بے تابانہ عشق اس کا انتہائی اشتیاق اور سوز و گداز بھی دیکھا۔ پھر اس کی دھمکیاں بھی اپنے کانوں سے سُنیں، اِن سب باتوں کا یہ اثر ہوا کہ یہ عورتیں زوجۂ عزیز کے ساتھ حضرت یوسفؑ کے پیچھے پڑ گئیں، اور یوسفؑ کے قریب ہو بیٹھیں۔ ان میں سے ایک نے حضرت یوسفؑ سے کہا:

"اے شریف نوجوان! یہ کیسا انکار اور انحراف ہے؟ اور یہ تم اتنی ہٹ کس لئے کر رہے ہو؟ کیا تمھارے پہلو میں دل نہیں ہے جو اس بیچاری کے لئے نرم پڑ جائے۔ جس نے اپنے آپ کو تمھارے قدموں

میں ڈال دیا ہے اور اپنا دل تمھارے حوالے کر دیا ہے۔ کیا تمھاری آنکھیں نہیں ہیں کہ ایسی ہستی کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھیں، جو اپنے حسن وجمال کے باوجود اپنی نگاہوں کو تمھارا پابند بنائے ہوئے ہے، اور تم جیسے فرمان کو اپنی طرف رجھا رہی ہے۔ کیا تم جوانی سے بھرپور نوجوان نہیں ہو، یا تمھیں قوت وشباب کی تازگی نصیب نہیں ہے کہ تم کو عورت سے فائدہ اُٹھانے کا موقع میسّر ہے اور تم انکار کر رہے ہو؟"

دوسری عورت بولی: "اچھا تم اِس حسن وجمال اور عشق و محبت کو چھوڑ دو، کیا تم اس کے مال و دولت، شان و شوکت اور مرتبے اور عزّت کو بھی نہیں دیکھتے؟ کیا تم نہیں جانتے کہ اگر تم نے اس کا کہنا مان لیا، تو اِس محل میں جو کچھ ہے وہ سب تمھارا ہے اور تم ہی اُس کے مالک ہو جاؤ گے۔"

تیسری نے کہا: "مانا کہ تمھیں اُس کے حسن کی حاجت نہیں اور اس کے مال کی طمع بھی نہیں تو کیا تم اس کے قید کر دینے کی دھمکی سے بھی نہیں ڈرتے؟ جس کی کوئی میعاد تمھیں معلوم نہیں، یا اُس کی بے اندازہ سزا کا خوف بھی تمھیں نہیں ہوتا؟ بے شبہہ تمھارے لئے یہی بہتر ہے کہ اپنی قیدوں کو آسان بناؤ اور اِس مخالفت کو ہلکا کرو تاکہ دو خوبیاں حاصل کرنے میں کامیاب ہو، حسن اور دولت اور دو شرّوں سے امن حاصل کر سکو۔ قید اور سزا۔"

حضرت یوسفؑ کا اضطراب

زنانِ مصر نے یہ سب کچھ کہا اور دل میں سمجھیں کہ انھوں نے اپنا بلیغ کلام یوسف علیہ السلام کے دل میں اُتار دیا اور ان میں محبت کا جذبہ پیدا کر دیا۔ مگر حضرت یوسف کے دل میں وعدہ اور وعید اور تعمیل و انکار کے درمیان شدت سے جنگ جاری تھی اور یہاں تک اندیشہ پیدا ہو گیا تھا کہ کہیں وہ شبہے میں نہ پڑ جائیں، اور شیطان وسوسوں میں مبتلا نہ کر دے، اِس لئے اُنھوں نے اللہ کو وسیلہ بنایا اور مومن ... کوئی غم گھیرتا ہے یا مصیبت ستاتی ہے یا پس وپیش اور اشتباہ کی حا... پیدا ہو جاتی ہے تو اس موقع پر وہ ہمیشہ اللہ ہی سے اعانت اور ... کی التجا کرتا ہے۔

اللہ سے حضرت یوسفؑ کی دُعا

یہی حال حضرت یوسفؑ کا تھا۔ انھوں نے اللہ کی طرف تو... اور گڑگڑا کر دعا مانگی کہ بدی کو ان سے دُور رکھے اور عورتوں کا مکر... کے سر سے ٹال دے، انھوں نے دُعا میں کہا:

"اے میرے رب! قید خانہ اپنی تمام تاریکی اور وحشت ... باوجود میرے لئے ان عورتوں کے پھندے اور کشاکش میں مبتلا ہو... سے بدرجہا بہتر اور راحت بخش ہوگا۔ میں قید خانے میں تیری آز... پر صبر کروں گا۔ وہاں تیرے حکم پر میرے ایمان میں اضافہ ہوگا... خلقت کے حالات و معاملات میں سے جو باتیں مجھ سے پوشیدہ ر... ہیں، وہاں میں انھیں جان لوں گا۔ ممکن ہے وہاں تیری معرفت ... توحید کی طرف بلانے کا دروازہ کُھل جائے۔ مجھے تیری عبادت کر... اور عظمت بیان کرنے کا موقع مِل جائے، وہاں میں اپنے آپ... قائم کرنے اور عدل کی ترازو نصب کرنے کے لئے تیار کروں گا۔ ... بات کی صلاحیت پیدا کروں گا جس کی تو نے امید دلائی ہے اور ... فرمایا ہے کہ تو مجھے روئے زمیں میں قدرت و اختیار عطا کرے گا... تیرا وعدہ برحق اور تیرا قول سچا ہے۔

رہا یہ کہ میں ان عورتوں کے درمیان مقیم رہوں، جو مجھے ... باتوں پر فریفتہ کرتی اور میرے لئے اِس حیاتِ فانی کو آراستہ کر... تو میں اپنی خواہش کی طرف سے ڈرتا ہوں کہ کہیں اس طرف ما... ہو جائے، اور شیطان سے بھی خائف ہوں کہ وہ میرے دل ...

وسوسے ڈال کر مجھ پر غلبہ نہ پالے، جس کی وجہ سے مجھ میں ان عورتوں کی طرف میلان پیدا ہو جائے۔

(رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَیْهِ وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّیْ کَیْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَیْهِنَّ وَاَکُنْ مِّنَ الْجٰهِلِیْنَ)

ے پروردگار! یہ عورتیں مجھے جس بات کی طرف بلا رہی ہیں، اس سے قید خانہ ہی مجھے زیادہ محبوب ہے۔ اگر تو ان کے داؤ پیچ کو مجھ سے دفع کردے گا تو میں ان کی صلاح کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور نادانی کا کام بیٹھوں گا)۔

یوسفی کردار کی وضاحت

اِس موقع پر حضرت یوسف ؑ جتنی بلاؤں میں ڈالے گئے، اُن کے ے جتنے پھندے لگائے گئے اور انھیں جیسی جیسی باتوں میں پھانسنے کوشش کی گئی وہ ان سب سے بالکل پاک وصاف اور بے داغ نکل آئے یں ان کی مالکہ نے لبھانے اور رجھانے میں کوئی کمی نہ کی، اس کے وجود نہ یوسف ؑ کی نظریں اُس کی طرف کھنچ سکیں، نہ اُن کے دل دھڑکن تیز ہوئی، اس کے برخلاف وہ اُلٹے اس سے روگردانی رنے لگے اور انجان بن گئے، یہاں تک کہ اُس عورت نے جب کھُل کر مطلب بیان کیا تو ان کے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ انھوں نے اللہ کی پناہ مانگی، اور اپنے آقا (عزیز) کی امانت (بیوی) میں یانت کرنے کو سخت ناپسند کیا۔ امرأۃِ عزیز نے چڑ کر ان پر تہمت ائی کہ "یوسف نے مجھ پر زیادتی کی ہے" اِس موقع پر اسی کے خاندان والوں میں سے ایک شخص نے ایسی شہادت دی، جس کی وجہ سے اس ساری حجت اور بہتان تراشی بے کار ہو کر رہ گئی۔ اِس کے بعد مصر عورتیں یوسف ؑ کے اِرد گرد جمع ہو گئیں اور انھیں بہکانے لگیں، نہ اُن کے استقلال میں فرق آنے پایا، نہ ان کے دل کو اس طرف مائل کر سکیں۔

زوجۂ عزیز کی جھنجلاہٹ

جب یہ تمام علامات یوسف علیہ السلام کی پاکبازی اور برأت کے ثبوت میں ظاہر ہوئیں اور عزیزِ مصر کو ان کا علم ہوا تو اُسے یقین آگیا۔ مگر اُس کی بیوی کی بے چینی بڑھ گئی، صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹ گیا اور حضرت یوسف ؑ کی طرف سے ناامید ہو گئی۔ اب اُس نے اپنے شوہر کی پناہ لی، جو اپنی بیوی کا مطیع و فرماں بردار تھا۔ اور اُس سے کہا:

"یوسف ؑ نے مجھے میرے معاملے میں رسوا کر دیا اور میری عزت کو بٹہ لگایا۔ میرے نزدیک تو اس کی سزا یہی ہے کہ تم اُسے پکڑ کے قید کر دو اور اس طرح میرے غصے کو ٹھنڈا کرو۔"

عزیز نے بیوی کا کہنا مان لیا، اور اس کے حکم کی تعمیل میں حضرت یوسف ؑ کو جو گناہ کی تہمت سے اسی طرح بری تھے، جس طرح بھیڑیا یوسف کے خون سے بری تھا، قید خانہ میں ڈلوا دیا۔ یہاں وہ ایک نئی آفت سے دوچار ہوئے مگر اُسے انھوں نے صبر کرنے والوں کے دل اور ایمان والوں کے عزم کے ساتھ جھیل لیا۔

(صفحہ ۲ کا بقیہ) اِس بارے میں مصلحت اندیشی اور عقل کی حیلہ تراشی کو ذرا بھی موقعہ نہ دینا چاہیئے۔ اِس راہ میں مصائب ومحن کے خواہ کتنے ہی پہاڑ ٹوٹ پڑیں، لیکن راہِ ثبات سے قدم نہ ڈگمگائیں، صبر و استقامت اور عزم و استقلال سے اسی طرح کام لینا چاہیئے جیسا کہ اُس کا حق ہے پھر اگر ظاہری و دنیاوی شکست بھی ہو تو وہ حق کی فتح ہے، کیونکہ جنگ اُصول کی تھی نہ کہ سامان کی۔

مُدعیانِ محبتِ حسین رضؓ کے لئے یہی ایک معیارِ محبت ہے کہ اگر وہ آپ کے اُسوہ کی پیروی کر کے اُس کو پورا کر دکھائیں تو سچے محب ہیں ورنہ کھوکھلے دعووں کی کوئی حقیقت نہیں — هَلْ مِنْ مُّجِيْبٍ — (ادارہ)

تفسیر ابنِ کثیر اردو

یہ علّامہ ابن کثیرؒ دمشقی کی بلند پایہ و مشہور عالم تفسیر کا ترجمہ ہے۔ یہ تفسیر دنیائے اسلام میں بہترین اور مستند تسلیم کی گئی ہے۔ ہر زمانے کے علمائے اس کو قبولیت کا شرف بخشا اور امّ التّفاسیر کا لقب دیا ہے۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ سب سے مفید سب سے زیادہ قرآنِ کریم کو بطریقِ سلف صالحین سمجھا دینے والی تفسیر "تفسیر ابنِ کثیر" ہی ہے اور اس کے بعد تمام عربی و اُردو تفاسیر اسی سے ماخوذ ہیں۔ علّامہ ابن کثیرؒ سب سے پہلے تو کلام اللہ کی آیت کی تفسیر، کلام پاک کی دوسری آیات سے کرتے ہیں، پھر احادیث سے، پھر سلف صالحین سے، تمام احادیث و آثار کے حوالے بھی دیتے ہیں، اس وجہ سے یہ تفسیر دنیا کی تمام تفسیروں سے اعلیٰ ہے۔

قیمت جلد اوّل: پارہ ۱ تا ۶ مجلد ۱۳/۸ + قیمت جلد دوم: پارہ ۷ تا ۱۲ مجلد ۹/۸ + قیمت جلد سوم: پارہ ۱۳ تا ۱۸ مجلد ۹/
قیمت جلد چہارم: پارہ ۱۹ تا ۲۴ مجلد ۱۰/- + قیمت جلد پنجم: پارہ ۲۵ تا ۳۰ مجلد ۱۲/۸ + قیمت کامل مجلد ۵۵/- +

الگ الگ پاروں کا ہدیہ حسب ذیل ہوگا

پارہ نمبر	قیمت	پارہ نمبر	قیمت	پارہ نمبر	قیمت
١	٣/٨	١١	١/٨	٢١	٢/-
٢	٢/٨	١٢	١/٨	٢٢	٢/-
٣	٢/-	١٣	١/٨	٢٣	٢/-
٤	٢/-	١٤	١/٨	٢٤	٢/-
٥	٢/-	١٥	٢/-	٢٥	٢/-
٦	٢/٨	١٦	٢/-	٢٦	٢/٨
٧	٢/-	١٧	١/٨	٢٧	٢/-
٨	٢/-	١٨	١/٨	٢٨	٢/-
٩	٢/-	١٩	١/٨	٢٩	٢/٨
١٠	٢/-	٢٠	١/٨	٣٠	٢/٨

ملنے کا پتہ } نور محمد۔ اصحّ المطابع و کارخانہ تجارتِ۔ فریر روڈ۔ بالمقابل آرام باغ۔ کراچی

جواہر حدیث

(ادارہ)

بد اخلاقی کا مظاہرہ

(۱) صِنْفَانِ مِنْ اَھْلِ النَّارِ لَمْ اَرَھُمَا بَعْدُ: قَوْمٌ مَعَھُمْ سِیَاطٌ کَاَذْنَابِ الْبَقَرِ یَضْرِبُوْنَ بِھَا النَّاسَ، وَنِسَاءٌ کَاسِیَاتٌ عَارِیَاتٌ مُمِیْلَاتٌ مَائِلَاتٌ رُؤُسُھُنَّ کَاَسْنِمَةِ الْبُخْتِ الْمَائِلَةِ لَا یَدْخُلْنَ الْجَنَّةَ وَلَا یَجِدْنَ رِیْحَھَا وَاِنَّ رِیْحَھَا لَیُوْجَدُ مِنْ مَسِیْرَةِ کَذَا وَکَذَا۔

(مسند احمد۔ مسلم)

دو قسم کے لوگ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے لیکن وہ میرے زمانہ میں نہیں ہیں ایک وہ جن کے پاس گایوں کے دم جیسے دُرّے ہوں گے اور وہ ان سے خدا کی مخلوق کو بلاوجہ ماریں گے دوسرے وہ عورتیں جو ایسے کپڑے پہنیں گی جو نہایت باریک ہونے کی وجہ سے جسم کو عریاں کریں گے اور اپنے چہرہ کو کھلا ہوا رکھیں گی تاکہ لوگ اُن کے چہرے اور بدن کے حُسن و جمال کو دیکھ کر اُن کی طرف متوجہ ہوں اور وہ تکبر اور غرور سے جھومتی ہوئی بدافعالیوں میں مبتلا ہوں گی ایسی عورتیں کبھی جنت میں داخل نہ ہوں گی، بلکہ ان کو جنت کی ہوا اور خوشبو تک نہ پہنچ سکے گی۔ وہ خوشبو جو برسہا برس کے فاصلہ پر بھی رکھدی جائے تو محسوس ہوتی ہے۔

صبر کی تلقین

(۲) اَلصَّبْرُ عِنْدَ الصَّدْمَةِ الْاُوْلٰی

(مسند بزار۔ مسند ابویعلی)

صدمہ اور تکلیف کے وقت صبر کرنا سب سے بہتر ہے (اس لئے کہ اُس سے اللہ تعالےٰ کی خوشنودی حاصل ہو سکتی ہے)۔

خادم کو تنبیہ

(۳) ضَعُوا السَّوْطَ حَیْثُ یَرَاہُ الْخَادِمُ۔

(مسند بزار)

کوڑا ایسی جگہ رکھو جہاں سے تمہارے خادم کو نظر آتا رہے (تاکہ وہ اپنے فرائضِ منصبی میں خود ہی کوتاہی نہ کرے)

مدّتِ مہمان داری

(۴) اَلضِّیَافَةُ ثَلَاثَةُ اَیَّامٍ، فَمَا زَادَ فَھُوَ صَدَقَةٌ، وَعَلَی الضَّیْفِ اَنْ یَّتَحَوَّلَ بَعْدَ ثَلَاثَةِ اَیَّامٍ۔

(ابن ابی الدنیا)

مہمان داری صرف تین روز کے لئے ہے اور اس کے بعد صدقہ ہے اور مہمان کا فرض ہے کہ وہ تین دن کے بعد چلا جائے (تاکہ میزبان پر زائد بوجھ نہ پڑے)۔

طالب علم کی فضیلت

(۵) طَالِبُ الْعِلْمِ تَبْسُطُ لَہُ الْمَلٰئِکَةُ اَجْنِحَتَھَا رِضًا بِمَا یَطْلُبُ۔

(ابن عساکر عن انس)

طالب علم کی رضا اور خوشنودی کے لئے اللہ تعالےٰ کے فرشتے اپنے پر بچھا دیتے ہیں۔

ساتھ کھانا

(۶) طَعَامُ الْاِثْنَیْنِ یَکْفِی الْاَرْبَعَةَ وَطَعَامُ الْاَرْبَعَةِ یَکْفِی الثَّمَانِیَةَ فَاجْتَمِعُوْا عَلَیْہِ وَلَا تَفَرَّقُوْا

(طبرانی فی الکبیر)

دو آدمیوں کا کھانا چار کے لئے اور چار آدمیوں کا کھانا آٹھ آدمیوں کے لئے کافی ہوتا ہے۔ اس لئے علیحدہ علیحدہ کھانا مت کھاؤ بلکہ سب مل کر بیٹھو (تاکہ خدا کی نعمت سے فائدہ حاصل کر سکو) ✣

مشاہیرِ صحابہ رضؓ

(ادارہ)

(۱۹)

عبداللہ بن قیس رضؓ

آپ عبداللہ بن قیس یعنی ابو موسیٰ اشعری رضؓ مشہور قدیم الاسلام جلیل القدر صحابی ہیں، اوائل زمانۂ بعثت میں مکہ مکرمہ میں اسلام لائے اور حضورِ انور صلعم کی اجازت سے اپنے وطن یمن واپس چلے گئے۔ ہجرت کے بعد مع اپنے قبیلہ کے "فتح خیبر" کے زمانہ میں حاضرِ خدمت ہوئے۔ یہ لوگ سمندر کی راہ سے آئے تھے، ساحل پر اُس وقت پہنچے جب حضرت جعفر طیار رضؓ مع اپنے قافلہ کے حبشہ سے پہنچے اور اس طرح یہ سب حضرات مدینہ میں ایک ساتھ پہنچے۔ اس وجہ سے بعض علماء کو یہ شبہ ہو گیا ہے کہ یہ بھی ہجرتِ حبشہ میں شریک تھے۔ رسول اللہ صلعم نے ان کے قبیلہ، ان کے وطن اور خود حضرت ابو موسیٰ اشعری رضؓ کی تعریف میں کلمات نیز ان کے حق میں دعا فرمائی ہے۔ ابو موسےٰ رضؓ نہایت خوش آواز تھے رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ:

"عبداللہ بن قیس مؤمن منیب اوتی مزماراً من مزامیر آل داؤد" (ابو موسیٰ رضؓ سچے مسلمان ہیں، ان کو حضرت داؤد کی خوش آوازیوں میں سے حصہ ملا ہے)۔ صحابہ اور تابعین سب ابو موسیٰ رضؓ کی عزت اور قدر و منزلت کرتے تھے۔ خلفاء راشدین کے زمانہ میں جہادِ شام میں شریک رہے۔ رسول اللہ صلعم نے ان کو یمن کے بعض متعلقات کا حاکم مقرر فرما دیا تھا۔ حضرت عمر رضؓ اور حضرت عثمان رضؓ کے زمانہ میں یہ بصرہ کے حاکم مقرر ہوئے۔ حضرت علی رضؓ کی خلافت کے زمانہ میں واقعۂ تحکیم میں حضرت ابن عباس رضؓ اور بعض دیگر کبار صحابہ رضؓ اور خود حضرت علی رضؓ کی رائے نہ ہونے کے باوجود، محض اشعریوں کے سخت اصرار سے مجبور ہو کر حضرت علی رضؓ نے حضرت ابو موسیٰ رضؓ کو اپنی جانب سے حَکَم مقرر فرمایا تھا۔ چنانچہ حضرت عمرو بن العاص رضؓ جیسی فطانت و ذہانت نہ ہونے کی وجہ سے حضرت ابو موسیٰ رضؓ نے ایسا شدید اور مہلک دھوکا کھایا جس کی نظیر تاریخ اسلام میں نہیں ملتی۔ اللہ تعالےٰ سب صحابہ رضؓ پر اپنی رحمت نازل فرمائے۔ ان میں کے اکثر حضرات وہ چالاکیاں، جن کو آج کل ڈپلومیسی کہا جاتا ہے، آپس میں کرنا جانتے ہی نہ تھے، اگرچہ وہ سیاسی امور بہترین طریق پر انجام دینے والے تھے، مگر آپس میں چالاکیاں حرام سمجھتے تھے۔ واقعۂ تحکیم کے بعد حضرت ابو موسیٰ رضؓ نے مکہ یا کوفہ میں گوشہ نشینی اختیار کر لی، اور پھر اس فتنہ کے پورے زمانہ میں دروازے بند کئے بیٹھے رہے۔ یہاں تک کہ ۴۲ھ یا ۴۴ھ اور بعض اقوال کے مطابق ۵۰ھ یا ۵۱ھ میں مکہ یا کوفہ میں وفات پائی۔

عبداللہ بن مالک رضؓ

آپ عبداللہ بن مالک رضؓ بن قشب الازدی المعروف بہ ابن بحینہ قدیم الاسلام صحابی ہیں، بڑے عابد و زاہد تھے اکثر روزہ رکھتے اور پے در پے حج کرتے تھے۔ ۵۶ھ میں وفات پائی۔ بحینہ بنت حارث بن عبد المطلب ان کی والدہ تھیں۔ یعنی بحینہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چچا زاد بہن تھیں۔

عبداللہ بن مغفل رضؓ

آپ عبداللہ بن مغفل المزنی، بیعتِ رضوان میں شریک تھے، ایک عرصہ تک مدینۂ منورہ میں سکونت پذیر رہے، پھر حضرت عمر فاروق رضؓ نے اُن کو مع دیگر ساتھیوں کے بصرہ کے لوگوں کی تعلیم کے لئے روانہ کر دیا تھا آپ نے بصرہ ہی میں ۵۷ھ یا ۶۱ھ میں وفات پائی۔

عبداللہ ابن امّ مکتوم رضؓ

آپ عبداللہ ابن امّ مکتوم قرشی عامری جلیل القدر اور قدیم الاسلام صحابی اور حضرت خدیجہ رضؓ کے ماموں زاد بھائی ہیں۔ آپ اوائلِ بعثت میں ہی ایمان لائے تھے اور حضرت مصعب بن عمیر رضؓ کے ساتھ اوائلِ ہجرت میں مدینہ میں آئے۔ رسول اللہ صؐ نے آپ کو تیرہ غزوات میں مدینہ میں اپنا قائم مقام مقرر فرمایا تھا۔ انھیں کی وجہ سے سورۂ عبس نازل ہوئی تھی نیز آپ ہی کے لئے آیۃ لا یستوی القاعدون میں غیر اولی الضرر کی قید نازل ہوئی تھی۔ آپ رسولِ کریم صؐ کے بعد بھی جہاد میں شریک ہوتے رہے باوجودیکہ نابینا تھے۔

آپ کی شہادت حضرت عمر رضؓ کے زمانۂ خلافت میں، جنگِ قادسیہ میں ہوئی۔ یا فراغتِ جنگ کے بعد مدینہ آکر انتقال فرمایا۔

عبیدہ بن حارث رضؓ

آپ عبیدہ بن حارث بن المطلب بن عبد مناف القرشی جلیل القدر صحابی اور رسول اللہ صؐ کے رشتہ میں چچا ہوتے ہیں۔ اوائلِ زمانۂ بعثت میں ایمان لائے اور اپنے بھائیوں کو لے کر مدینۂ منورہ کی جانب ہجرت میں شریک ہوئے، رسولِ کریم صؐ آپ کی بہت قدر و منزلت فرماتے تھے آپ کو غزوۂ بدر سے قبل مہاجرین کے ایک لشکر کا امیر بھی مقرر فرمایا تھا غزوۂ بدر میں جب مقابلہ شروع ہوا تو عتبہ اور شیبہ اور ولید بن عتبہ لشکرِ مشرکین سے مقابلہ کو نکلے، ان کے مقابلے کے لئے تین انصاری لشکرِ اسلام سے گئے، مگر ان نامعقولوں نے ان انصاریوں کو واپس کر دیا اور رسولِ کریم صؐ کا نام لے کر پکار اکہ، ہمارے مقابلے کو ہمارے ہمسر قریشیوں کو بھیجو۔ رسول اللہ صلعم نے حضرت حمزہ رضؓ، حضرت علی رضؓ اور حضرت عبیدہ رضؓ کو بھیجا، جنھوں نے ان تینوں کافروں کو قتل کر دیا مگر حضرت عبیدہ خود بھی مجروح ہو گئے۔

غزوۂ بدر سے واپسی میں دورانِ راہ میں آپ کی وفات ہوئی، خیال رہے کہ یہ عبیدہ، عبد المطلب یعنی رسول اللہ صؐ کے دادا کے پوتے نہیں ہیں، یعنی رسول اللہ صؐ کے حقیقی چچا زاد بھائی نہیں ہیں۔

عتاب بن اسید رضؓ

آپ عتاب بن اسید القرشی الاموی افاضل و اشرافِ صحابہ میں سے ہیں، فتح مکہ کے دن اسلام لائے، اس کے بعد نہایت تقوےٰ و طہارت سے بسر فرمائی۔ رسولِ کریم صؐ نے ان کو فتح کے بعد ہی جب کہ آپ غزوۂ حنین کے لئے تشریف لے جا رہے تھے، مکہ کا والی مقرر کر دیا تھا۔ جس پر آپ رسول اللہ کی حیاتِ مبارک تک اور اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کی وفات تک مقرر رہے۔ آپ ہی کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ مکہ شریف اور اُس کے گرد و نواح میں فتنۂ ارتداد پھیلنے نہیں پایا تھا۔

آپ کے زمانۂ وفات میں اختلاف ہے۔ ایک روایت ہے کہ حضرت عتابؓ اور حضرت ابوبکر رضؓ کی وفات ۱۳ھ میں ایک ہی روز ہوئی، مگر تاریخ طبری میں ہے کہ ۲۲ھ تک حضرت عمر فاروق رضؓ کے زمانہ میں وہ والیِ مدینہ رہے۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی وفات ۲۲ھ کے آخر یا ۲۳ھ کے اوائل میں ہوئی ہے۔ جب رسول اللہ صؐ نے آپ کو والیِ مکہ مقرر فرمایا تو یہ نوجوان تھے۔

جبریلؑ کے نام شاعر کا پانچواں خط

فرقے

(یکتا، امروہوی)

پڑھیئے جبریلِ امیں نامۂ پنجم میرا ۔۔۔ اِن خطوں میں سے نہ ہو ایک بھی خط گُم میرا
جتنے خط ہیں یہ مرے رکھئے گا ان کو محفوظ ۔۔۔ ان کے دینے ہیں جوابات رہے یہ ملحوظ
جیسے میں بھیج رہا ہوں یہ یکے بعد دگر ۔۔۔ اس ہی صورت سے مری ہوگی جوابوں پہ نظر
تاکہ مجھ کو بھی ہو یہ عِلم کہ تفصیل کے ساتھ ۔۔۔ گفتگو کیا ہوئی، اللہ سے جبریل کے ساتھ
اور تبدیل کوئی طور ہوا یا کہ نہیں ۔۔۔ میرے ان شکووں پہ کچھ غور ہوا یا کہ نہیں

اچھا اب پانچویں نامے کا بھی مفہوم لکھوں ۔۔۔ یعنی اک عرصہ سے کرنا ہے جو معلوم لکھوں
جا کے خود پوچھوں خدا سے یہ نہیں میری مجال ۔۔۔ معرفت آپ کے کرنا ہے مجھے ایک سوال
جلد سے جلد کوئی وقت مناسب پاکر ۔۔۔ پوچھئے میری طرف یہ خدا سے جاکر
سب کا خالق ہے تو ہی تیری ہی مخلوق ہیں سب ۔۔۔ سب کا معبود ہے تو کوئی نہیں دوسرا رب
کیوں نہیں پھر تری مخلوق کا بھی ایک انداز ۔۔۔ کر رہا ہے کوئی پوجا، کوئی پڑھتا ہے نماز
اچھا یہ مانا کہ وہ کفر ہے اور اسلام ۔۔۔ اور اسلام ہی کا ہوگا فقط نیک انجام
یہ رہِ راست پہ ہے راہ کو پہچانتا ہے ۔۔۔ تجھ کو بھی اور ترے محبوب کو بھی جانتا ہے
یہ بھی ہے علم کہ کیا چیز ہے قرآن ترا ۔۔۔ بہرِ مخلوق ہے مجموعۂ فرمان ترا
لیکن اِس پر بھی مسلمان نہیں سب یکساں ۔۔۔ سیکڑوں فرقے ہیں اسلام میں بھی جلوہ کناں
حنفی اِس میں ہے کوئی، تو کوئی شافعی ہے ۔۔۔ اور ہے حنبلی کوئی تو کوئی مالکی ہے
فخر سے اپنے کو کہتا ہے وہابی کوئی ۔۔۔ احمدی کوئی ہے فرقہ تو بہائی کوئی
ایک فرقہ ترے اسلام میں ہے پیر پرست ۔۔۔ اس میں کچھ پیر ہی ہیں کچھ اپنی مریدی میں ہیں مست
ہے مقلد تو کوئی غیر مقلد کوئی ۔۔۔ ہے موحد کوئی اس میں تو ملحد کوئی
ہے کوئی اہلِ حدیث اس میں بصد تحقیقات ۔۔۔ جو یہ کہتا ہے کہ ہوگی اسی فرقے کی نجات
خوجہ فرقہ ہے کوئی بارہ امامی کوئی ۔۔۔ آغا خاں کا بصد فخر سلامی کوئی

سب کے آئین جدا سب کے عقائد ہیں جدا ۔۔۔ اور کہنے کو ہے اسلام بھی ایک، ایک خدا

کیسا اسلام ہے یہ؟ پوچھیئے! حیران ہوں میں
عقل کچھ کام نہیں کرتی پریشان ہوں میں

نوٹ:۔ "تذکرہ" کے آئندہ شمارہ میں، جبریل کے نام شاعر کا چھٹا خط، بعنوان "نازِ انسانیت" مطالعہ فرمائیں
(ادارہ)

علمِ حدیث

(۵)

(مولانا اشفاق الرحمٰن، کاندھلوی)

وحی کے لغوی معنی کسی کا اپنی دلی منشاء لبوں کو جنبش دیئے بغیر اِخفاء اور آہستگی کے ساتھ دوسرے پر ظاہر کر دینا۔ اور اصطلاحاً خدا کا اپنے دلی منشاء سے اپنے خاص بندوں کو کسی غیبی ذریعہ سے مطلع کرنا، وحی علم و اطلاع کے ذریعوں کی آخری سرحد ہے۔ جس طرح علم کی تین قسمیں، یعنی وجدانیات، حسیات، بدیہیات عام انسانوں کے لئے یقینی ہیں۔ اسی طرح روحانی علم کے تینوں ذریعے کشف، الہام اور وحی انبیاء علیہم السلام کے لئے یقینی ہیں۔ اور جس طرح علم کے مادی ذریعوں میں سے یقین کا سب سے پہلا ذریعہ وہ ہے جو تمام تر مادی ہے، یعنی وجدان پھر حسِ ظاہر اور پھر بدیہات۔ اسی طرح علم کے روحانی واسطوں میں سب سے زیادہ یقینی وہ ہے جو تمام تر روحانی ہے، یعنی وحی پھر الہام پھر کشف۔

ہم نے علم کے روحانی ذرائع کی جو تین قسمیں کی ہیں، وحی، الہام اور کشف یہ قرآن پاک کی اصطلاحیں نہیں ہیں۔ قرآن پاک میں روحانی ذریعۂ علم کا نام "مکالمۂ الٰہی" (خدا سے بات کرنا ہے) اور اس کی حسب ذیل تین قسمیں ہیں۔

۱۔ وحی (اشارہ) سے بات کرنا۔ یعنی دل میں کسی معنی کا بغیر الفاظ اور آواز کے آجانا، یہ اگر حالتِ بیداری میں ہو تو کشف ہے اور اگر خواب میں ہے تو رؤیا ہے۔

۲۔ خدا کا پردہ کے پیچھے سے بات کرنا یعنی متکلم نظر نہیں آتا، مگر غیب سے آواز آتی ہے اور الفاظ سُنائی دیتے ہیں۔ یہ الہام ہے۔

۳۔ فرشتہ کے ذریعہ سے بات کرنا، یعنی فرشتہ خدا کا پیغام لیکر سامنے نظر آتا ہے اور اس کے مُنہ سے وہ الفاظ ادا ہوتے ہیں جن کو نبی سُنکر محفوظ کر لیتا ہے۔ اسی کو عام طور سے وحی کہتے ہیں، کیونکہ قرآن پاک کا نزول اِسی آخری طریقہ سے ہوا ہے۔ لیکن اِس شہرتِ عام کے یہ معنی نہیں ہیں کہ دو اور دوسرے طریقے وحی کی قسمیں نہیں ہیں موجودہ زمانہ میں ہمارے نئے محققوں کو ایک غلطی یہ بھی ہو رہی ہے کہ وہ محض قرآن کو قابلِ اتباع سمجھتے ہیں، اسی لئے "مکالمۂ الٰہی" کے یہ تینوں طریقے خود قرآن کی سورۂ شوریٰ میں مذکور ہیں۔

اِن تینوں کا اجمالاً مشترک نام بھی وحی ہے، یعنی یہ مقسم بھی ہے اور اپنی تین قسموں میں سے بھی ایک پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے، یعنی قسم بھی۔

الغرض اس امتیاز کے لئے علمی اصطلاحات میں ان تینوں طریقوں کے لئے کشف، الہام اور وحی کے تین علیحدہ علیحدہ الفاظ وضع کر دیئے گئے، تاکہ بول چال میں ہر روحانی طریقۂ گفتگو دوسرے سے ممتاز ہو جائے۔

بیداری میں اشارہ سے بات کرنا کشف ہے اور خواب کے عالم میں رؤیا ہے۔ پردہ کے پیچھے سے آواز کا آنا الہام ہے اور فرشتہ کی وساطت بات کرنا وحی ہے۔ یہ پوری بحث التقریر والتحبیر شرح تحریر لابن الھمام اور اصولِ فقہ کی اہم کتابوں میں ہے۔

بہر حال غیبی ذریعۂ اطلاع کی یہ سب سے بلند اور اکمل ترین قسم جس کو

اصطلاح میں وحی کہتے ہیں، انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مخصوص ہے اور بقیہ اقسام کا کچھ حصّہ غیر انبیاء کو بھی نصیب و میسّر ہو سکتا ہے۔

اور انبیاء علیہم السلام کو اپنے کشف، الہام اور وحی پر اتنا ہی یقین ہوتا ہے، جس قدر عام انسانوں کو اپنے وجدانیات، محسوسات، نظریات اور بدیہیات پر۔ انبیاء کا یہ روحانی علم ایسا اندرونی ہوتا ہے جیسا عام انسانوں میں وجدانیات، نظریات اور بدیہیات و محسوسات کا علم ہوتا ہے۔ جس طرح کسی شخص کو اس علم میں دھوکا نہیں ہو سکتا، کہ اس کو بھوک یا پیاس معلوم ہو رہی ہے یا اس کو غم یا خوشی ہے، اسی طرح نبی کو بھی اپنی روحانی وجدانیات میں دھوکا نہیں ہوتا۔ غرض انبیاؑ اپنے ان جملہ غیبی و روحانی ذرائع علم میں، ہر لغزش، فریب، خطا اور غلطی سے اسی طرح پاک ہوتے ہیں، جس طرح ہم اپنے وجدانیات، نظریات، محسوسات اور بدیہیات میں غلطی اور خطاء سے پاک ہوتے ہیں۔

حکمائے اسلام نے وحی کی حقیقت ملکۂ نبوت سے ظاہر کی ہے۔

تشریح اُس کی یہ ہے کہ ترتیبِ کائنات پر غور و فکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کائنات میں علم اور تعقل نے پستی سے بلندی کی طرف رفتہ رفتہ ترقی کی ہے۔ جمادات بے حس ہیں، اس کے اوپر نباتات ہیں، جن میں صرف محدود احساس ہوتا ہے اور دماغی قوی حافظہ، تذکر اور غور و فکر کی قوت سے وہ محروم ہیں۔ ان سے اونچے حیوانات ہیں، جن میں یہ تمام قویٰ ناقص طریقے سے نمودار ہوتے ہیں، اور آخر میں ان سے بالاتر ہستی یعنی انسان میں جاکر یہ قویٰ پورے کمال میں ظاہر ہوتے ہیں، ان قویٰ کی ترقی یہیں تک محدود نہیں ہے بلکہ نباتات میں جس طرح قوتِ احساس ہے، جس سے جمادات محروم ہیں۔ اور حیوانات میں حافظہ، تصور اور تعقل کی اس درجہ قوتیں نہیں، انسان میں وہ دماغی، ذہنی قوے ہیں جو حیوانات میں نہیں، اسی طرح انبیاء؈ میں علم و تعقل کی ایسی قوت موجود ہوتی ہے، جو عام انسانوں میں نہیں ہوتی، اور اسی کا نام ملکۂ نبوت ہے۔

حواس صرف مادیات کو دریافت کرتے ہیں، دماغی قویٰ مادیات سے بلند ذہنیات اور عقلیات کو اور ملکۂ نبوت اس سے بھی اُونچا جاتا ہے وہ ذہنیات و عقلیات سے بلند تر حقائق یعنی غیبیات کو دریافت کرتا ہے۔ اِس ذریعۂ علم میں غور و بحث اور منطقیانہ فکر و نظر اور ترتیبِ مقدمات کی ضرورت نہیں پڑتی، بلکہ حقائق اِس طرح سامنے آتے ہیں جس طرح وجدانیات، نظریات، بدیہیات اور محسوسات سامنے آتے ہیں اور انھیں کی طرح وہ یقینی بھی ہوتے ہیں اور چونکہ اس ذریعہ میں علم انسانی کے عام ذریعہ اور طریقہ سے معلومات حاصل نہیں کی جاتیں، بلکہ خود علّام الغیوب وہ علم ان انسانی وسائط کے بغیر اُن کو عطا کرتا ہے، شرع کی زبان میں اسی کو وحی و الہام کہتے ہیں۔ علمِ کلام کی اصطلاح میں ملکۂ نبوت اور عام محاورے میں اُس کو غیبی علم کہہ لیجئے۔

لیکن اہلِ نقل کی اصطلاح میں وحی کی یہ صورت نہیں بلکہ اللہ تعالےٰ پیغمبروں کو وقتاً فوقتاً احکام اور ارادوں سے براہ راست فرشتوں کے ذریعہ مطلع کرتا رہتا ہے، یہی وحی ہے۔

امعان نظر سے معلوم ہوگا کہ اصولِ عقل و نقل کے اختلاف کا منشا یہ ہے کہ آیا یہ وحی خود پیغمبر کے مافوق اور غیر معمولی وہبی علم و فہم کا نتیجہ ہوتا ہے یا خود براہ راست وقتاً فوقتاً تعلیم ربانی کا دوسرے لفظوں میں یہ کہو کہ جس طرح عام انسانوں میں علم و فہم کی قوتِ آغاز پیدائش ہی میں فطرۃً ودیعت کر دیجاتی ہے۔ اسی طرح انبیاء میں منشاءِ الٰہی جاننے کی قوت بھی شروع ہی میں فطرۃً ودیعت کر دیجاتی ہے۔ یا یہ کہ وہ فطرۃً تو ویسے ہی عام انسانوں میں علم و فہم رکھتے ہیں۔ مگر اللہ تعالےٰ نبوت کے

بعد اپنی منشاءِ الٰہی ان کو کسی غیبی ذریعہ سے وقتاً فوقتاً آگاہ کرتا رہتا ہے۔

لیکن واقعہ یہ ہے کہ حقیقت عقل کی نقل سے اور نقل کی عقل سے علیحدگی میں نہیں بلکہ اتحاد میں ہے، وہ لوگ جو عقل و نقل دونوں کے جامع ہیں اور وہ ان دونوں کو مجتمع کرتے ہیں اور کہتے ہیں:

یار ما این دارد و آن نیز ہم!

انبیاء علیہم السلام میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بدرِ فطرت اور آغازِ پیدائش سے اُن امور کے متعلق جن کا ان کی نبوت و رسالت سے تعلق ہے اور جس کو دین کہتے ہیں وہ کلی استعداد اور عمومی فہم عطا کرتا ہے، جس سے غیر انبیاء محروم ہوتے ہیں اور اس پوشیدہ قوت کا عملی ظہور اُس وقت سے ہوتا ہے، جب وہ نبوت کے منصب پر عملاً سرفراز ہوتے ہیں۔ اسی کا نام ملکۂ نبوت ہے، اور اہم امورِ دین کے متعلق اُن کو وقتاً فوقتاً جو غیبی اطلاعات ملتی رہتی ہیں، اُن کا نام وحی ہے۔

آجکل قرآن فہمی اور عقل کے مدعیوں اور نقل کے لفظی پابندوں میں جو اختلاف ہے وہ دراصل انھیں دو قوتوں کے درمیان تمیز نہ کرنے کا نتیجہ ہے۔ عقل کے مدعی یہ سمجھتے ہیں کہ قرآن بے شک براہ راست خدا کی وحی ہے، مگر اس کے ماسوا رسول جو کچھ کہتا ہے وہ اُس کی پیغمبرانہ نہیں، بلکہ انسانی و بشری علم و فہم کا نتیجہ ہے، اس لئے اُس کی تشریعی حیثیت نہیں، بلکہ اُس کی پابندی عام مسلمانوں پر بحیثیت امامت تھی، یہ خیال و عقیدہ حقیقتِ نبوت سے ناواقفی اور خواص و لوازمِ نبوت کا انکار ہے۔ بلکہ انکارِ نبوت و رسالت کے مترادف ہے۔ کسی شئے کا اور اس کے لوازم کا انکار، دراصل اصل شئے کا انکار ہے۔ جیسے آفتاب کا اقرار ہو لیکن دھوپ سے انکار، یا دن کا اقرار ہو لیکن روشنی سے انکار، رات کا اقرار ہو لیکن اس کی تاریکی و ظلمت سے انحراف، یہ سب اقرار بمنزلہ عدم اقرار بلکہ انکار و تکذیب کے مترادف ہیں۔ لہٰذا منصبِ رسالت کی یہ تصدیق نہیں بلکہ تحریفِ رسالت اور مضحکۂ رسالت ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ وحیِ قرآنی جیسی وحی ہے، اسی طرح نبی کے دوسرے احکام اقوال و افعال، عام بشری علم و فہم کا نتیجہ نہیں بلکہ اس کی پیغمبرانہ ذہنی قوت اور غیبی علم و فہم کے نتائج ہیں جو وحی کی دوسری قسم اس لئے ہے کہ اس کا منشاء ملکۂ نبوت کے ذریعہ وحیِ ربانی کی ترجمانی ہے۔ اِس لئے پیغمبرؑ کی وحی اور ملکۂ نبوت دونوں کے احکام واجبُ الاتباع ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ نبی میں علم و فہم کے ذریعے تین ہیں۔ وحی، ملکۂ نبوت اور عقلِ بشری۔ ان میں سے اوّل و آخر کے ثبوت میں کسی استدلال کی ضرورت نہیں، اِس لئے کہ یہ مسلّمات میں سے ہیں۔ صرف ملکۂ نبوت محلِ کلام رہ گیا۔

اِس سلسلے میں یہ کہنا ہے کہ جن علماء اور محققین نے اس کی حقیقت ظاہر فرمائی ہے انھوں نے اپنے اپنے مذاق کے مطابق اُس کی الگ الگ اِصطلاحیں قائم کی ہیں، مگر مفہوم و معنی کے لحاظ سے دراصل وہ ایک ہیں۔ سلف صالحین میں سے بعض نے اُس کو "القاء فی الروع" (دل میں ڈالنا)، نبی کی حکمتِ قلبیہ، توفیقِ ازلی اور قوتِ تبیین سے تعبیر کیا ہے جیسا کہ امام شافعی رح نے کتاب الرسالہ میں ذکر فرمایا ہے۔ امام غزالی رح امام رازی اور دیگر متکلّمین نے اِس کو "ملکۂ نبوت" سے ادا کیا ہے شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اس کو "پیغمبرانہ قوتِ اجتہاد" سے نامزد کیا ہے اور صوفیہ کی عام پسند اصطلاح میں اس کو "علمِ لدُنّی" کہا جاتا ہے۔

مگر اِن سب کے معنی تقریباً ایک ہی ہیں، یعنی پیغمبر کے اندر وہ پیغمبرانہ عقلی قوت جو بشری عقل سے فوق ہے اور جس کے ذریعہ وہ وحی کی تشریح اسرارِ شریعت کا بیان اور دقائقِ حکمت کی اپنی زبان سے توضیح کرتا ہے۔ انبیاءِ کرام علیہم الصّلوٰۃ والسّلام کے اُن ربانی انعامات کی

فہرست پڑھیئے، جن کا تذکرہ قرآن نے جابجا کیا ہے۔ تو وحی کی مخصوص نعمت کے بعد سرِ فہرست جو چیز نظر آئے گی وہ «علمِ نبوت» ہے۔

جس کو کہیں «ذکر» یادداشت، کہیں «حُکم» حق و باطل میں تمیز کا ملکہ، کہیں «حکمت» دانائی، کہیں «شرحِ صدر» سینہ کا کھول دینا، کہیں «تفہیم» سمجھ بوجھ دینا، کہیں «تعلیم» سکھا دینا، کہیں «اراءت» دکھا دینا، سوجھا دینا کہا گیا ہے۔ اِن سب مختلف الفاظ کا مفہوم وحی سے نیچے اور عقلِ بشری سے اوپر عقلِ نبوی کے سوا اور کیا ہے۔ اِس سے مُراد وحی تو اِس لئے نہیں کہ ان کا ذکر وحی سے الگ ہوتا ہے اور عقلِ بشری اِس لئے نہیں کہ عقلِ بشری خاص نبی پر کوئی انعام نہیں، کہ یہ نعمت ہر انسان کو کچھ نہ کچھ ملی ہے، اِس بنا پر اس سے مُراد عقلِ نبوی اور حکمتِ نبوی کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ اور اسی کو کافۃ النّاس اور جمہور مسلمان سنّت کہتے ہیں۔

پس حکمتِ نبوی وہ نورِ نبوت اور الہامی معرفت ہی جو اللہ تعالےٰ نے محمد رسول اللہ صلعم کے سینۂ منورہ میں ودیعت رکھا تھا اور چونکہ آپ کے سنن و اقوال آپ کی اِس ودیعت شدہ حکمت کی پیداوار اور آثار و نتائج ہیں، اس لئے واجبُ الاقتدا اور اتباع ہیں اور اقرارِ رسالت کا عین مُقتضا۔

ولنعم ما قال ؎

فلسفی را از پیمبر راشناس　آبگینہ را ز گوہر راشناس
آبگینہ را نہ پنداری بدست　جز ولیکہ گوہرے آری بدست
چوں گہر آید بدستت شب چراغ　آبگینہ شد سیہ چوں پرِّ زاغ
فلسفی اندر بُنِ چاہِ نژند　نرد بال دارد بخورشید بلند
نرد بالش می برد تا چند ارش　پس بچاہ افتد نگوں گشتہ سرش
واں پیمبر خود ز بامِ آسماں　رشتہ افگندہ سوئے خاکیاں
رشتۂ جاں را بدیں رشتہ بتاب　پس بر آ، تا بارگاہِ آفتاب
ز آسماں پیغمبر آوازت دہد　فلسفی از خاک پروازت دہد
ایں ز دورت رہنماید سوی جاں　واں بخواند خود ترا از کوی جاں

صحابۂ کرام رضہ

جو پاک ہستیاں عہدِ رسالت میں تھیں، ان میں سے بہت سے بزرگ تھے جنھوں مدتوں جناب رسول اللہ صلعم کی صحبت سے فیض اُٹھایا تھا، (خلفاءِ راشدین اور تمام اکابر صحابہ رضہ) بہت سے بزرگ تھے جنھوں نے آپ کے ساتھ متعدد غزوات میں شرکت کی تھی۔ بہت سے بزرگ تھے جنھوں نے احادیث کی روایتیں کی تھیں، بہت سے بزرگ تھے جنھوں نے مسلمان ہو کر سنِ بلوغ میں آپ کو دیکھا تھا، بہت سے لوگ تھے جنھوں نے قبل از اسلام آپ کو دیکھا تھا۔ لیکن بعد اسلام ان کو یہ شرف حاصل نہیں ہوا، بہت سے لوگ تھے جو عہدِ رسالت میں موجود تھے، لیکن اُن کو آپ سے ملنے یا آپ کے دیکھنے کا موقع نہیں ملا، بہت سے لوگ تھے جنھوں نے آپ کی زندگی میں آپ کو نہیں دیکھا، لیکن آپ کی وفات کے بعد آپ کا دیدار نصیب ہوا۔ اور ان کے علاوہ بہت سے بچے

جو آپ کے مبارک عہد میں پیدا ہوئے، اور صحابہ کرام رضہ نے ان کو تبرکاً آپ کی خدمت میں حاضر کیا، آپ نے ان کا نام رکھا اور اُن کو دُعا دی۔

اب سوال یہ ہے کہ اِن مختلف الحیثیات بزرگوں میں کون لوگ ہیں، جن پر لفظ صحابی کا اطلاق کیا جا سکتا ہے اور وہ صحابہ رسول اللہ صلعم کے مقدس خطاب سے یاد کئے جا سکتے ہیں؟

محدثین کی ایک جماعت اور جمہور اصولیین نے صحابی ہونے کے لئے یہ شرط لگائی ہے کہ اُس کو ایک مدت تک رسول اللہ صلعم کے ساتھ نشست و برخاست کا موقع ملا ہو۔

حضرت سعید بن المسیب رضہ نے اِس شرط کے ساتھ یہ قید بھی لگائی ہے کہ اکم از کم اُس کو رسول اللہ صلعم کے ساتھ دو ایک غزوات میں بھی شرکت کا موقع ملا ہو اور کم از کم اُس نے ایک سال آپؐ کے ساتھ قیام کیا ہو۔

بعض لوگوں کی رائے ہے کہ، صحابی صرف اُس کو کہتے ہیں جس نے رسول اللہ صلعم سے احادیث کی روایت کی ہو۔

بعض لوگوں کے نزدیک صحابی ہونے کے لئے صرف طولِ صحبت کافی نہیں ہو سکتا، بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ اُس نے آپؐ کے ساتھ صحبت بغرض حصولِ علم و عمل اختیار کی ہے۔

بعض لوگ ہر اس مسلمان کو صحابی کہتے ہیں، جس نے حالتِ بلوغ اور حالتِ صحتِ عقل میں آپؐ کو دیکھا ہے۔

بعض لوگوں کے نزدیک آپ کا دیکھنا بھی ضروری نہیں، بلکہ ہر اُس مسلمان کو صحابی کہا جا سکتا ہے جو عہدِ رسالت میں موجود تھا۔

محدثین کی ایک جماعت جس میں امام بخاری رح بھی شامل ہیں، صحابی کا خطاب صرف اُن لوگوں کو دیتی ہے، جنھوں نے رسول اللہ صلعم کو حالتِ اسلام میں دیکھا ہے۔ بلکہ آنکھوں سے دیکھنا بھی ضروری نہیں صرف ملاقات کافی ہے، مثلاً حضرت عبداللہ بن مکتوم رضہ اندھے تھے آپ کو آنکھ سے نہیں دیکھ سکتے تھے، لیکن بایں ہمہ اُن کا شمار صحابہ رضہ میں ہے کیونکہ ان کو آپؐ کی ملاقات کا شرف حاصل تھا۔ امام احمد بن حنبل رح کا قول ہے کہ ہر وہ شخص جس نے ایک مہینہ یا ایک دن یا ایک منٹ تک آپؐ کی صحبت اُٹھائی یا آپؐ کو دیکھا ہے، وہ صحابی ہے۔ (اسد الغابہ جلد ۱)

البتہ جو لوگ آپؐ کے عہد مبارک میں پیدا ہوئے، وہ صحابی نہیں۔

حافظ ابن حجر کا قول اصابہ میں ہے، ذکر اولئك فی الصحابة انما هو علی سبیل الالحاق لیکن بعض لوگوں کے نزدیک یہ لوگ بھی صحابہ کے گروہ میں داخل ہیں۔ مولانا عبدالحی ظفر الامانی میں لکھتے ہیں،

والمرجح هو دخوله فیهم لغم حدیثهم مرسل لکنه مرسل مقبول۔ مرجح یہ ہے کہ وہ صحابہ میں داخل ہیں، البتہ ان کی حدیث مرسل ہے لیکن وہ مرسل مقبول ہے۔

تعداد صحابہ رضہ

صحابہ رضہ کے حالات میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں، ان سے اُن کی تعداد کا صحیح پتہ لگانا سخت مشکل ہے اور اس کو خود ان کتابوں کے مصنفین تسلیم کرتے ہیں۔ علی بن زرعہ کا قول ہے کہ آپؐ کی وفات کے وقت، جن لوگوں نے آپؐ کو دیکھا اور آپؐ سے حدیث سُنی اُن کی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ ہے، جن میں مرد و عورت دونوں شامل تھے اور اُن میں ہر ایک نے آپؐ سے روایت کی تھی۔

ابن فتحون نے ذیل استیعاب میں اس قول کو نقل کر کے لکھا ہے کہ، ابو زرعہ نے یہ تعداد صرف اُن لوگوں کی بتائی ہے جو روایتِ حدیث میں تھے۔ لیکن ان کے علاوہ صحابہ رضہ کی جو تعداد ہوگی، وہ اس سے کہیں زیادہ ہوگی۔

بہر حال اکابر صحابہ رضہ کے نام، اُن کی تعداد، ان کے حالات صحیح طور پر ہم کو معلوم ہیں، لیکن ان کے علاوہ ہم صحابہ رضہ کی صحیح تعداد نہیں

بتا سکتے۔ ایک اوسط تعداد جو اُن کی بیان کی جا سکتی ہے وہ ایک لاکھ کے قریب ہے۔

غزوات وغیرہ کی تعداد سے پتہ لگانا اس لئے صحیح نہیں ہے کہ اُن میں عموماً عورتیں داخل نہیں ہیں۔

عدالتِ صحابہ

اگرچہ اصول کا یہ مسئلہ ہے کہ "الصحابۃ کلھم عدول" یعنی تمام صحابہ رض عادل ہیں۔ لیکن شافعیہ میں ابو الحسین القطان نے اس عموم سے اختلاف کیا ہے، کیونکہ ان کے نزدیک صحابہ میں کچھ بزرگ ایسے ہوئے ہیں، جن سے لغزشیں ہوئی ہیں۔

خوارج کا خیال ہے کہ عام طور پر تمام صحابہ خانہ جنگی سے پہلے عادل تھے، لیکن جب خود صحابہ میں خانہ جنگی پھیل گئی اور صفین و جمل کے معرکہائے کارزار گرم ہوئے، تو یہ لوگ عادل نہیں رہے۔

معتزلہ کے نزدیک جن لوگوں نے حضرت علی رض کے ساتھ جنگ کی وہ عادل نہیں۔ جو لوگ امیر معاویہ رض کے طرفدار ہیں وہ اس کے برعکس دعوے کرتے ہیں۔ محدث مازری نے اس اصول کو صرف ان صحابہ کے لئے مخصوص کیا ہے جو شب و روز رسول اللہ صلعم کی صحبت اور آپؐ کی اعانت میں مصروف رہتے تھے، ان کے نزدیک عام صحابہؓ اس عموم میں داخل نہیں۔ (اصابہ)

لیکن عام محدثین کے نزدیک اُن آیات کی بنا پر جو قرآن پاک میں عموماً تمام صحابہؓ کے فضائل میں نازل ہوئی ہیں، یہ اصول تمام صحابہ پر ہر زمانہ میں حاوی ہے اور اس کے تحت میں صحابہ کا ہر فرد داخل ہے۔ لیکن عدالت کے معنی کبھی اجتناب عن الکذب کے آتے ہیں، اس معنی میں عادل اُس شخص کو کہیں گے جو دروغ بیانی نہ کرتا ہو۔ تمام صحابہؓ کو اسی معنی میں عدول کہا جاتا ہے۔ یہ کسی عالم کا دعوےٰ نہیں ہے کہ صحابہ سے کوئی فعل تقوے و طہارت کے خلاف صادر نہیں ہو سکتا یا وہ انبیاء کی طرح معصوم ہیں یا وہ تمام گناہوں اور خطاء اور لغزش سے محفوظ ہیں۔ چنانچہ محدثین نے صاف تصریح کی ہے۔ علامہ سخاوی فتح المغیث میں لکھتے ہیں:

قال ابن الانباری لیس المراد بعدالتھم ثبوت العصمة و استحالة المعصیة منھم وانما المراد قبول روایاتھم من غیر تکلف البحث عن اسباب العدالة وطلب التزكية الا ان یثبت ارتکاب قادح ولم یثبت ذٰلك.

ابن انباری کا قول ہے کہ، عدالت کا یہ مطلب نہیں کہ صحابہ معصوم ہیں اور ان سے گناہوں کا سرزد ہونا محال ہے، مطلب یہ ہے کہ ان کی روایتوں کو اسباب عدالت و ثقاہت کی چھان بین کے بغیر قبول کر لینا چاہیئے۔ بجز اس صورت کے کہ وہ ایسے امر کا ارتکاب کریں، جو روایات میں قادح ہو اور یہ ثابت نہیں ہے۔

مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب لکھتے ہیں:

"اہلِ سنّت کا یہ مقرر عقیدہ ہے کہ صحابہ کُل کے کُل عادل ہیں، یہ لفظ بار بار بولا گیا ہے اور میرے والد مرحوم (شاہ ولی اللہ محدث دہلوی) نے اس لفظ کی حقیقت سے بحث کی تو ثابت ہوا کہ اس موقع پر عدالت کے متداول معنی مُراد نہیں بلکہ صرف عدالت فی روایۃ الحدیث مُراد ہے اس کے سوا اور کچھ مراد نہیں، اور اس عدالت کی حقیقت روایات میں اجتناب عن الکذب ہے۔ کیونکہ ہم نے تمام صحابہ کی سیرت کو خوب ٹٹولا ہے کہ ان لوگوں کی سیرت کا بھی تتبع کیا جو خانہ جنگیوں، فتنوں اور لڑائی جھگڑوں میں شریک ہوئے تو ہم کو معلوم ہوا کہ وہ رسول اللہ کے متعلق دروغ بیانی کو سخت ترین گناہ سمجھتے ہیں، اور اس سے شدت کے ساتھ احتراز کرتے ہیں۔" (ظفر الامانی)

صحابہ اور اطاعتِ رسول

صحابۂ کرام جس طوع و رضا کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتے تھے اُس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ صرف حاکمانہ اور جابرانہ اطاعت نہ تھی جو حاضر و غائب اور موت و حیات میں یکساں ہے یقیناً یہ تشریعی اطاعت ہے جو تا قیامت قائم ہے اور رہے گی اور یہ ایک غیر متبدل اطاعت ہے، جس میں تا قیامت فرق نہیں آسکتا اس کے متعلق احادیث میں نہایت کثرت سے واقعات مذکور ہیں، ذیل کے چند واقعات سے ان کا اندازہ ہو سکے گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر میں تھے، دیکھا تو اونٹوں پر سُرخ اُون کے دھاری دار گدّے نظر آئے۔ فرمایا کہ اب مجھ کو یہ سُرخی نظر نہ آئے، تمام صحابہؓ نے اس سُرعت کے ساتھ دوڑ کر اُن کو پھینک دیا کہ بہت سے اونٹ بدک اُٹھے۔

ایک بار حضرت زینبؓ اپنے کپڑے رنگوا رہی تھیں، آپ گھر میں آئے اور اُلٹے پاؤں واپس گئے، آپ نے اگرچہ مُنہ سے کچھ نہیں فرمایا تھا، تاہم حضرت زینبؓ آپ کی نگاہِ عتاب کو تاڑ گئیں اور تمام کپڑوں کے رنگ کو دھو ڈالا۔ (ابوداؤد)

آپ نے ایک صحابی کو رنگین چادر اوڑھے ہوئے دیکھا فرمایا، یہ کیا ہے؟ وہ سمجھ گئے کہ آپ نے ناپسند فرمایا، فوراً گھر میں آئے اور اُس کو چولھے میں ڈال دیا۔ (ابن ماجہ)

حضرت خزیم اسدی ایک صحابی تھے جو نیچا تہبند باندھتے تھے اور لمبے بال رکھتے تھے، ایک روز آپ نے فرمایا۔ خزیم اسدی کتنا اچھا آدمی تھا اگر لمبے بال نہ رکھتا اور نیچا تہبند نہ پہنتا، اُن کو معلوم ہوا تو فوراً قینچی منگائی، اُس سے بال کترے اور تہبند اونچا کر لیا۔ (ابوداؤد)

بیوی سب کو عزیز ہے، لیکن جب آپ نے تخلّف غزوۂ تبوک کی بنا پر تمام مسلمانوں کو حضرت کعبؓ بن مالک سے قطع تعلق کا حکم دیا اور اخیر میں ان کو بیوی سے بھی علیحدگی اختیار کرنے کی ہدایت فرمائی تو بولے کہ "طلاق دیدوں یا اور کچھ؟" لیکن آپ کے قاصد نے کہا صرف علیحدگی مقصود ہے۔ چنانچہ انھوں نے فوراً بیوی کو میکہ بھیجدیا (بخاری)

شادی بیاہ کا معاملہ نہایت نازک ہوتا ہے، لیکن صحابۂ کرام کو اطاعتِ رسول نے ان معاملات میں غور و فکر کرنے سے بے نیاز کر دیا تھا۔

حضرت ربیعہ اسلمی رضؓ ایک نہایت مُفلس صحابی تھے ایک بار آپ نے اُن کو نکاح کرنے کا مشورہ دیا اور کہا کہ جاؤ انصار کے فلاں قبیلے کی لڑکی سے نکاح کر لو! وہ آئے اور کہا کہ رسول اللہؐ نے مجھے تمہارے یہاں نکاح کرنے کے لئے بھیجا ہے۔ سب نے اُن کا خیر مقدم کیا اور کہا کہ، رسول اللہؐ کا قاصد ناکام نہیں جا سکتا۔ چنانچہ فوراً انھوں نے اس کی تعمیل کی۔ (مسند ابن حنبل)

پابندیٔ احکامِ رسولؐ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو حکم دیتے تھے، ان میں جو وقتی ہوتے تھے صحابۂ کرام فوراً اُن کی تعمیل کرتے تھے اور جو دائمی ہوتے تھے ہمیشہ اُن کے پابند رہتے تھے اور اس کے خلاف کبھی اُن سے کوئی حرکت صادر نہیں ہوتی تھی۔

آپ کے زمانہ میں عورتیں بھی شریکِ جماعت ہوتی تھیں، اس حالت میں اقتضائے کمال عفّت و عصمت یہ تھا کہ ان کے لئے مسجد کا ایک دروازہ مخصوص کر دیا جائے، اِس بنا پر آپ نے ایک روز ارشاد فرمایا کہ:

لو ترکنا هذا الباب للنساء۔ کاش ہم یہ دروازہ صرف عورتوں کے لئے چھوڑ دیتے۔

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے اس شدت کے ساتھ اس کی پابندی کی کہ، تادمِ مرگ اُس دروازے سے مسجد میں داخل نہیں ہوئے (ابوداؤد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا:

من زار قوما فلا یؤمهم ولیؤمهم رجل منهم جو شخص کسی قوم کے یہاں جائے، وہ ان کی امامت نہ کرے، بلکہ خود ہی قوم کا کوئی شخص اِس فرض کو ادا کرے۔

ایک بار حضرت مالک بن حویرثؓ ایک قوم کی مسجد میں آئے تو لوگوں نے امامت کی درخواست کی۔ مگر انھوں نے انکار کر دیا، کہ رسول اللہ صلعم نے اِس سے منع فرما دیا ہے، حالانکہ بعض روایات میں الا باذنهم کا استثنا موجود ہے۔ (ابوداؤد)

ایک بار حضرت ابو سعید خدری رضؓ نماز پڑھ رہے تھے، ایک قریشی نوجوان سامنے سے گزرا۔ انھوں نے اُس کو دھکیل دیا، مگر وہ باز نہ آیا، پھر دھکیلا، وہ نہ رُکا، تیسری بار پھر دھکیلا۔ نماز پڑھ چکے تو فرمایا کہ، رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ نماز کو اگرچہ کوئی چیز توڑ نہیں سکتی تاہم اگر کوئی چیز سامنے آجائے تو جہاں تک ممکن ہو اُس کو دفع کرو وہ شیطان ہے۔ (ابوداؤد)

ایک بار حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ، جس شخص نے جنابت میں ایک بال کو بھی خشک چھوڑ دیا، اس پر دوزخ میں یہ اور یہ عذاب ہوگا، حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اِس پر جس شدت سے عمل کیا اس کو خود انھوں نے بیان کیا ہے:

فمن ثم عادیت راسی فمن ثم عادیت راسی فمن ثم عادیت راسی (ابوداؤد)

(یعنی اسی دن سے میں نے اپنے سر سے دشمنی کرلی، دشمنی کرلی، دشمنی کرلی (یعنی برابر سر منڈواتا رہا)۔

رسول اللہ صلعم نے شوہر کے علاوہ اور اعزّہ کے ماتم کے لئے صرف تین دن مقرر فرمائے تھے۔ چنانچہ صحابیات نے اُس کی اِس شدّت کے ساتھ پابندی کی کہ جب حضرت زینب بنتِ جحش کے بھائی کا انتقال ہو گیا تو چوتھے دن کچھ عورتیں ان سے ملنے آئیں، انھوں نے ان سب کے سامنے خوشبو لگائی اور کہا کہ مجھ کو خوشبو کی کوئی ضرورت نہ تھی لیکن میں نے آپ سے منبر پر سُنا ہے کہ کسی مسلمان عورت کو شوہر کے سوا تین دن سے زیادہ کسی کا ماتم کرنا جائز نہیں۔ اِس لئے یہ اُسی حکم کی تعمیل ہے۔ (ابوداؤد)

جب حضرت اُمِ حبیبہؓ کے والد نے انتقال کیا، تو اُنھوں نے تین روز کے بعد تیل لگایا، خوشبو ملی اور کہا کہ مجھے اس کی ضرورت نہ تھی صرف اس حکم کی تعمیل تھی۔ (ابوداؤد)

پہلے یہ دستور تھا کہ جب صحابۂ کرام سفرِ جہاد میں منزل پر قیام فرماتے تھے تو اِدھر اُدھر پھیل جاتے تھے۔ ایک بار آپ نے فرمایا، کہ یہ تفریق و تشتت شیطان کا کام ہے۔ اس کے بعد صحابۂ کرام رضؓ نے اس کی اِس شدّت سے پابندی کی کہ جب منزل پر اُترتے تھے تو اِس قدر سمٹ جاتے تھے کہ اگر ایک چادر تان لی جاتی تو سب کے سب اُس کے نیچے آجاتے۔ (ابوداؤد)

غزل

(سید تعظیم علی، شایاں، بریلوی)

ذرا اپنی جفا کاری تو دیکھو
ہماری پھر وفاداری تو دیکھو

نہ جانے اُٹھ گئے دنیا سے کتنے
مگر یہ گرم بازاری تو دیکھو

کسی کی رہ گزر میں نقشِ پا ہوں
مری حدِّ وفاداری تو دیکھو

وہ آئے جب کہ میں نے جان دیدی
مری قسمت کی بیداری تو دیکھو

نہیں انساں کو یارائے عمل کچھ
مگر الزامِ مختاری تو دیکھو

بنے ہیں محفلِ رنداں کے مرشد
جنابِ شیخ کی یاری تو دیکھو

محبّت کو عداوت کر دکھایا
دغا بازوں کی عیاری تو دیکھو

نمک پاشی کی ہے درخواست اُن سے
مرے زخموں کی ناداری تو دیکھو

حضورِ احدیت ساغر بکف ہوں
وفورِ شوقِ میخواری تو دیکھو

خدا کی شانِ رحمت جانچتا ہوں
مرا ذوقِ گنہگاری تو دیکھو

گھٹا گھنگھور چھائی میکدے پر
نزولِ رحمتِ باری تو دیکھو

سزائے دار انعامِ محبّت
ذرا عشاق کی خواری تو دیکھو

نہیں کچھ بندۂ مولا کو شایاں
گناہوں کی گرانباری تو دیکھو

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

(علی احمد)

(حضرت عمر بن عبد العزیز بستر مرگ پر اپنی زندگی کے آخری سانس لے رہے ہیں۔ آپ کی بیوی فاطمہ اور بھائی مسلمہ بن عبد الملک آپ کے پاس بیٹھے ہیں۔)

سلمہ :- امیر المومنین! کیا آپ کو یاد ہے کہ آج آپ کو کس نے مریس[1] پلایا تھا (۱ پانی میں بھگوئی ہوئی کھجوریں)

مر : یہ تو یاد نہیں۔ لیکن اسکے پیتے ہی مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میں نے پگھلی ہوئی قلعی پی لی ہو۔

طمہ : امیر المومنین کو میرے اور ان کے غلام غصین کے علاوہ اور کوئی شخص مریس نہیں پلاتا۔

مر : فاطمہ! تم سے یا غصین سے یہ امر بعید ہے غصین مجھ سے محبت کرتا ہے اور میں بھی اس سے محبت کرتا ہوں۔

سلمہ : امیر المومنین! ہو سکتا ہے کہ غصین کو کسی دوسرے شخص نے پلانے کے لئے یہ دیا ہو۔

مر : جس بات کا تمہیں علم نہ ہو اُسے زبان سے مت نکالو۔

سلمہ : مجھے اسی دن سے غصین کا طرز عمل مشتبہ نظر آرہا ہے۔

اطمہ : ہاں حسب دستور غصین واپس نہیں آیا۔

مر :- سبحان اللہ۔ وہ آقا کی بیماری کی وجہ سے غم میں ہو خدا کے لئے تم دونوں کی طرف سے ہرگز ایسی بات نہ ظاہر ہونے پائے جس سے وہ یہ محسوس کرے کہ تم اسے مورد الزام سمجھتے ہو۔

سلمہ : ہم نے تو اسکے سامنے ایسی کوئی بات نہیں کہی۔

عُمر : ہو سکتا ہے کہ اس نے تمہاری قلبی کیفیت کا اندازہ کر لیا ہو اور وہ خوفزدہ ہو گیا ہو۔ فاطمہ! ذرا اُسے بُلا دو تاکہ میں اس کا شک دور کر دوں۔

(فاطمہ باہر جاتی ہیں)

عُمر : سلمہ! یہ تو تقدیر کی بات ہے۔ اللہ ہی نے مجھے اس مرض میں مبتلا فرمایا ہے تاکہ جو ہونا ہے وہ ہو جائے۔

مسلمہ : امیر المومنین! اگر آپ کی آزردہ دلی کا خیال نہ ہوتا تو میں اس بارے میں آپ سے کچھ حجت کرتا۔

عُمر : ایسا نہ کرو اسلئے کہ حجت و بحث مجھے سخت ناپسند ہے

فاطمہ : (واپس آکر) یہ ہے غصین اے امیر المومنین!

عُمر : آؤ غصین! کیا تم دونوں مجھے غصین کے ساتھ خلوت کا موقع دے سکتے ہو؟

(بسر و چشم اے امیر المومنین۔ فاطمہ و مسلمہ باہر چلے جاتے ہیں)

عُمر : غصین! ڈرو مت۔ میرے پاس آؤ۔ کیا میری مزاج پرسی نہ کرو گے؟

غصین : (غمزدہ حالت میں) امیر المومنین! آپ کا مزاج کیسا ہے؟

عُمر : الحمد للہ۔ آج میں دنیا کے مقابلہ میں اپنے آپ کو آخرت سے زیادہ قریب پا رہا ہوں۔

غصین: (آنسو بہنے لگتے ہیں) اے امیرالمومنین میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔

عُمر: ارے غصین! تم رو کیوں رہے ہو؟

غصین: کاش آپ کے بجائے میں اس مصیبت میں مبتلا ہو جاتا۔

عُمر: ہر شخص کی موت کا ایک دن معین ہے۔ اور کوئی شخص دوسرے کی موت نہیں مرتا۔ میں اپنے مہربان پروردگار کے پاس جا رہا ہوں۔ اور جو شخص بھی مجھ سے محبت رکھتا ہو اسے چاہئے کہ اس آخری وقت میرے ساتھ حسن سلوک سے دریغ نہ کرے۔ غصین! کیا تمہیں مجھ سے محبت نہیں؟

غصین: کیوں نہیں امیرالمومنین۔ اس کا تو خدا شاہد ہے۔

عُمر: اگر لاعلمی میں میں نے تمہارے ساتھ کوئی بدسلوکی کی ہو تو کیا تم مجھے معاف کر سکتے ہو؟

غصین (زور سے روتے ہوئے) امیرالمومنین! مجھے معاف فرما دیجئے۔ بدکار میں ہوں آپ تو ہمیشہ حسن سلوک اور مہربانی سے پیش آتے رہے۔ خدا مجھے برباد کرے۔ خدا مجھے ہمیشہ برباد رکھے۔

عُمر: چپ ہو جاؤ۔ اپنے لئے بددعا کرنا زیبا نہیں۔

غصین: امیرالمومنین! مجھے قتل کر دیجئے۔ میرے لئے قتل کا حکم صادر فرما دیجئے۔ میں قتل ہی کا سزاوار ہوں۔

عُمر: خاموش۔ آہستہ بولو۔ کوئی سن نہ لے۔

غصین: اگر آپ مجھے معاف فرما دیں تو مجھے کسی کے سن لینے کی پرواہ نہیں۔

عُمر: آہستہ بولو۔ میری خاطر آہستہ بولو۔

غصین: (آہستہ سے) امیرالمومنین مجھے معاف فرما دیجئے۔ مجھے معاف فرما دیجئے۔

عُمر: حقیقی مغفرت فرمانے والا تو خدائے وحدہٗ لاشریک ہے ہاں اگر تم مجھ سے صحیح واقعہ بیان کر دو تو میں اپنا حق معاف کر دوں گا۔

غصین: امیرالمومنین! خدا کی قسم میں بے کم و کاست اور بغیر اخفاء کے صحیح واقعہ عرض کر دوں گا۔

عُمر: آہستہ بولو۔

غصین: (آہستہ سے) میں ہی وہ بدبخت ہوں جس نے اس مریس میں زہر ملا دیا تھا۔

عُمر: جس دن تم نے مجھے زہر پلایا تھا کیا اس روز تمہیں اس کا علم تھا؟

غصین: مجھے اسی روز علم تھا لیکن آج سے پہلے آپ نے مجھ سے گفتگو ہی نہیں فرمائی۔

عُمر: اور اگر مجھے تم سے محبت نہ ہوتی اور اس بات کا خوف نہ ہوتا کہ قیامت میں تم اللہ کے عذاب میں مبتلا کئے جاؤ گے تو میں تم سے آج بھی بات نہ کرتا۔

غصین: امیرالمومنین۔ اب میری نجات کیسے ہو سکتی ہے۔ میں نے تو ارتکاب جرم کر کے اللہ کے عذاب کو اپنے اوپر لازم کر لیا ہے۔

عُمر: توبہ و استغفار کرو۔ اُمید ہے کہ اللہ تعالےٰ تمہیں معاف فرما دے گا۔

غصین: کیا اسی لئے آج آپ نے مجھ سے گفتگو فرمائی ہے؟

عُمر: ہاں۔ اچھا اب بتاؤ کہ تمہیں کس چیز نے ارتکاب جرم پر آمادہ کیا؟

غصین: اے امیر المؤمنین۔ اپنے اوپر مسلط شدہ بدبختی اور لالچ نے۔

عُمر: تمہیں اس کا کچھ معاوضہ بھی ملا؟

غصین: ہاں۔ جس شخص نے مجھے یہ لالچ دیا ہے اس کا نام بھی بتائے دیتا ہوں۔

عُمر: نہیں نہیں۔ نام بتانے کی ہرگز ضرورت نہیں۔ صرف یہ بتاؤ کہ تمہیں اس نے کتنا معاوضہ دیا۔

غصین: ایک ہزار دینار اے امیر المؤمنین!

عُمر: کیا تم نے یہ رقم وصول کر لی ہے؟

غصین: نہیں۔ تاوقتیکہ آپ ....

عُمر: تاوقتیکہ میں مر نہ جاؤں۔

غصین: جی ہاں۔ ہائے بدبختی۔

عُمر: ارے بیوقوف میرے مرجانے کے بعد تجھے ہرگز یہ رقم نہ مل سکے گی اور ہوسکتا ہے کہ تجھے اس خیال سے کہ افشائے راز نہ ہو قتل کر دیا جائے۔ میں تجھے ایسی تدبیر بتاتا ہوں کہ دُنیا کے عذاب سے بھی نجات پا جائے اور آخرت کے عذاب سے بھی۔

غصین: اے امیر المؤمنین! فرمایئے

عُمر: اسی وقت جاؤ اور اس شخص سے موعودہ رقم لے کر فوراً میرے پاس آؤ۔

غصین: لیکن امیر المؤمنین۔ اس وقت رقم دینے پر وہ کیسے راضی ہوگا؟

عُمر: اس سے کہنا کہ اگر رقم نہیں دیتے تو میں تمہارا نام ظاہر کئے دیتا ہوں۔ وہ یقیناً اس خوف سے تمہیں رقم دیدیگا اسی وقت جاؤ۔

غصین: اے امیر المؤمنین اے شریف ترین ہستی ابھی جاتا ہوں۔

(جانے کا ارادہ کرتا ہے)

عُمر: غصین ٹھہرو۔ آنکھوں سے آنسو پونچھ لو اور خبردار یہ بات کسی سے نہ کہنا۔ یہ راز صرف میرے اور تمہارے درمیان رہے۔

غصین: (آنسو پونچھتے ہوئے) ہائے بدبختی

عُمر: اگر تم سے کوئی دریافت کرے تو کہہ دینا کہ میں نے کسی کام کے لئے بھیجا ہے۔ اچھا اب جاؤ۔

(غصین چلا جاتا ہے)

عُمر: (زیر لب) اے اللہ اپنے بندے غصین کو معاف فرما دیجئے۔

(فاطمہ و مسلمہ اندر آتے ہیں)

مسلمہ: اے امیر المؤمنین کیا آپ نے غصین کو کسی کام کے لئے بھیجا ہے؟

عُمر: ہاں۔ مجھے یاد آیا کہ میری ایک امانت ایک شخص کے پاس رکھی ہوئی ہے۔ اسی امانت کو لینے کے لئے میں نے غصین کو بھیجا ہے۔

فاطمہ: امانت؟

عُمر: فاطمہ! میرے قریب آؤ۔ میں تم سے اس وقت ایسی باتیں کرنا چاہتا ہوں جو عرصہ سے میرے دل میں کھٹکتی ہیں اور آج تک جن کے اظہار کا موقع نہیں آیا۔

مسلمہ: (باہر جانے کا ارادہ کرتے ہوئے) امیر المؤمنین۔ کیا میں آپ کو اپنے اہل کے ساتھ خلوت کا موقع دینے

کے لئے کیا میں باہر چلا جاؤں؟

عُمر: نہیں۔ میرے بھائی تم بھی موجود رہو۔ فاطمہ تمہاری بہن ہے اور بہتر ہے کہ تم بھی ان باتوں کے شاہد رہو۔ فاطمہ! میری طرف متوجہ ہو۔

فاطمہ: اے امیرالمؤمنین میری جان آپ پر قربان ہو۔

عُمر: تمہیں اپنے وہ زیورات وجواہرات یاد ہیں جو ہم نے بیت المال میں امانت رکھ دیئے تھے؟

فاطمہ: لیکن امیرالمؤمنین میرا دل تو ان کی طرف سے بالکل پاک وصاف ہے۔ اب ان کے ذکر سے کیا فائدہ؟

عُمر: وہ بحالہ بیت المال میں رکھے ہوئے ہیں۔ ان پر تمہارا نام لکھا ہے اور اب تک بیت المال نے ان میں تصرف نہیں کیا۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ جو لوگ میرے بعد آئیں گے وہ ان کو صحیح مصرف میں صرف نہ کر سکیں گے اس لئے اگر تمہیں کچھ بھی رغبت ہو تو تم ان کی زیادہ مستحق ہو

مسلمہ: ہاں فاطمہ وہ تمہارا ہی حق ہے اور تم ان زیورات کی زیادہ مستحق ہو۔

فاطمہ: امیرالمؤمنین! جب آپ اجازت دیتے ہیں تو میں انہیں لے لوں گی اور لیکر یتیموں اور بیواؤں کو خیرات کردونگی۔

عُمر: شاباش فاطمہ۔ اس باطل دُنیا کے تمام امور میں سے یہ امر میرے لئے باعثِ صبر وتقویت ہے کہ میرے اہل وعیال میں ایسے لوگ موجود ہیں جن کے متعلق میں یہ امید قائم کرسکتا ہوں کہ اپنے تقوے و پرہیزگاری کی وجہ سے قیامت میں میرے لئے شفیع ثابت ہونگے۔

فاطمہ: نہیں بلکہ اے ابوعبدالملک آپ ہم سب کے شفیع ہونگے۔

عُمر: نہیں نہیں فاطمہ! عام طور سے عورتیں جن زیب و زینت کی مشتاق ہوتی ہیں ان سے بے رغبت ہوتے ہوئے میرے مقابلہ میں تمہارے دل میں اللہ کا زیادہ خوف ہے اور اسی طرح میرا بیٹا عبدالملک اگرچہ نوعمر ہی ہے اس کے دل میں اللہ کا خوف موجود ہے۔ الحمدللہ۔

مسلمہ: امیرالمؤمنین۔ خدا کی قسم آپ ہی کی نیکی سے متاثر ہوکر یہ لوگ صلاح پذیر ہوئے ہیں۔

عُمر: (فاطمہ سے مخاطب ہوکر) فاطمہ مجھے ایک اور کام بھی ہے۔

فاطمہ: امیرالمؤمنین! وہ کیا؟

عُمر: مشاغلِ خلافت میں منہمک ہوکر میں تمہارے حقوق کی ادائیگی سے باز رہا۔ کیا تم مجھے معاف کر دوگی؟

فاطمہ: (روکر) اے ابوعبدالملک! آپ کیسی باتیں فرماتے ہیں۔ مجھے اُمید ہے کہ اس کے معاوضہ میں اللہ تعالےٰ مجھے آخرت میں ثواب عطا فرمائے گا اور اگرچہ آپ ان دنوں مسلمانوں اور معاملاتِ خلافت میں منہمک رہے لیکن اس سے قبل تو آپ کی توجہ تمامتر میری ہی جانب رہی۔

عُمر: ہاں۔ کاش تمہارا بھائی سُلیمان یہ بارِ خلافت مجھ پر نہ ڈالتا اور ہم حسبِ سابق زندگی گذارتے۔

مسلمہ: امیرالمؤمنین! خدا کی قسم میں نہیں سمجھتا کہ اللہ کے نزدیک سلیمان کا کوئی عمل بھی اس سے زیادہ مقبول ہوگا۔ خدا شاہد ہے کہ آپ نے اللہ کو بھی راضی رکھا اور آپ کے دورِ خلافت میں مسلمان بھی ہم سے خوش

اور ہم آل مروان کو آپ نے سُرخ رو فرمایا۔

عُمر: مسلمہ! سرخ روٹی اور سیاہ روٹی قیامت ہیں ہو گی۔ مَیں تو آل مروان کو اپنے اوپر ناراض ہی پاتا ہوں۔

مسلمہ: اگرچہ آپ کی بعض سختیوں کی وجہ سے وہ آپ سے نالاں رہے لیکن آپ کے بعد وہ آپ پر فخر کریں گے۔

عُمر: کمبخت جاہلیت کے فخر و غرور میں مبتلا ہیں۔ خدا کی قسم مَیں قیامت کے دن ان کے خلاف حجت بنوں گا۔

مسلمہ: آپ نے سچ فرمایا۔ آپ اگر پسند فرمائیں تو ان میں سے جو بھی آپ کا دشمن ہو مَیں اس سے آپ کا انتقام لوں اگرچہ وہ.....

عُمر: چھوڑ دو مسلمہ آل مروان یا ماسوائے آل مروان میں میرا کوئی دشمن نہیں۔ کیا تم اس قسم کے تذکرہ سے مجھے ناراض کرنا چاہتے ہو۔

مسلمہ: اللہ کی پناہ اے امیرالمومنین۔ مَیں تو صرف آپ کی رضا کا طالب ہوں۔

فاطمہ: میرے بھائی کو معاف فرمائیے اس لئے کہ اسے آپ سے محبت ہے۔

عُمر: فاطمہ! مَیں بھی اس سے محبت کرتا ہوں اور اللہ کی راہ میں اسکے جہاد اور برداشتِ مصائب کی قدر کرتا ہوں۔

(غصین اندر آنے کی اجازت کے لئے دروازہ کھٹکھٹاتا ہے)

مسلمہ: امیرالمومنین! غصین آگیا۔

عُمر: غصین! اندر آجاؤ۔

(غصین ایک بڑی سی تھیلی لئے ہوئے اندر آتا ہے)

عُمر: غصین! امانت وصول کر لائے؟

غصین: ہاں امیرالمومنین!

عُمر: مَیں پھر غصین سے تنہائی میں گفتگو کرنا چاہتا ہوں کیا تم دونوں.......

مسلمہ: بسروچشم اے امیرالمومنین (مسلمہ و فاطمہ باہر چلے جاتے ہیں)

عُمر: میرے قریب آجاؤ اور آہستہ بولو۔ کیا یہ ایک ہزار دینار ہیں؟

غصین: ہاں امیرالمومنین!

عُمر: اگر یہ حقیر رقم قیامت میں تمہارے لئے آگ ثابت نہ ہوتی تو میں اسے تمہارے پاس ہی رہنے دیتا۔ لیکن میں تمہیں ایک بہتر تدبیر بتاتا ہوں۔ اسے مسلمانوں کے بیت المال میں داخل کر دو۔

غصین: آپ جو حکم فرمائیں میں تعمیل کے لئے حاضر ہوں۔ مجھے اس رقم کی کوئی حاجت نہیں۔ مَیں تو اس وقت دنیا میں اپنے نفس سے ذلیل تر کوئی چیز نہیں سمجھتا۔

عُمر: غصین اللہ تمہیں برکت دے۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ تمہاری توبہ کو قبول فرمانا چاہتا ہے۔ جاؤ تم اللہ کے لئے آزاد ہو۔

غصین: (رو کر) امیرالمومنین! کیا آپ مجھے آزاد فرما رہے ہیں؟

عُمر: ہاں۔ جاؤ۔ اور ایسی جگہ جاؤ جہاں تمہیں کوئی شناخت نہ کر سکے۔

غصین: مَیں آپ ہی کے زیرِ سایہ اور آپ ہی کی خدمت میں کیوں نہ رہوں۔

عُمر: غصین! تم ایک قریب المرگ شخص کی کیا خدمت کر سکو گے جو صبح و شام کا مہمان ہے۔

غصیین: امیرالمومنین! اللہ آپ کو زندہ وسلامت رکھے۔

عُمر: اچھا اب جاؤ اور ان لوگوں میں نہ ٹھیرو ورنہ یہ تمہیں قتل کر ڈالیں گے۔ (مسلمہ اندر آتے ہیں)

مسلمہ: امیرالمومنین! معاف فرمایئے۔ مجرم غلام کو بغیر سزا کے اس طرح چھوڑ دینا کسی طرح مناسب نہیں۔

(غلام کی کلائی پکڑ لیتے ہیں)

عُمر: (غصہ ہوکر) خدا تمہیں برباد کرے۔ کیا تم میری گفتگو سن رہے تھے۔

مسلمہ: امیرالمومنین خدا کی قسم ہم نے قصداً آپ کی گفتگو نہیں سنی۔ بلاقصد ہمارے کانوں میں پڑ گئی۔

فاطمہ: (اندر آکر) ہاں امیرالمومنین مسلمہ سچ کہتے ہیں۔

عُمر: تو جو کچھ تم نے سنا ہے اسے راز میں رکھو اور غصیین کو چھوڑ دو۔ اس لئے کہ میں نے اسے معاف کرکے لوجہ اللہ آزاد کر دیا ہے۔

مسلمہ: نہیں امیرالمومنین۔ خدا کی قسم غدار غلام کو بغیر سزا کے معاف کر دینا کسی طرح مناسب نہیں۔ اسے اپنے جرم کی سزا ملنی چاہیئے۔

عُمر: (نرمی سے) مسلمہ! اگر تم نے اسے سزا دی تو تمہیں دوسرے شرکائے جرم کو بھی سزا دینی پڑے گی اور اس طرح تم اپنے بھائیوں میں ایسے فتنے کا دروازہ کھول دو گے جس کا انجام خدا ہی کے علم میں ہے۔

مسلمہ: کوئی پرواہ نہیں۔ جو بھی مجرم ہوگا اسے سزا دی جائیگی۔

عُمر: (عاجزی سے) میرے بھائی اللہ تمہیں خوش رکھے زندگی کے آخری لمحات میں میری نافرمانی نہ کرو۔ فاطمہ! تم ہی اپنے بھائی کو سمجھاؤ۔

فاطمہ: مسلمہ! امیرالمومنین کا کہنا مان لو اسلئے کہ وہ نورِ خداوندی سے دیکھتے ہیں اور ایسی حالت میں ان کی ناراضگی مناسب نہیں۔

مسلمہ: (غلام کو چھوڑ دیتے ہیں) جیسی امیرالمومنین کی مرضی۔

فاطمہ: غصیین! اپنی مجرم صورت ہماری نظروں سے دور کر۔ اللہ تجھے غارت کرے۔

(غصیین تھوڑی دیر بعد چلا جاتا ہے)

عُمر: (درد سے کراہتے ہوئے) ہائے میرا سر، ہائے میرا سر (بیہوش ہوکر بستر پر دراز ہو جاتے ہیں)

فاطمہ: ہائے مسلمہ! امیرالمومنین پر غشی طاری ہوگئی

مسلمہ: بہن! صبر سے کام لو۔ ابھی افاقہ ہوا جاتا ہے۔

عُمر: (تکلف سے آنکھیں کھولتے ہیں، اُٹھنے کا ارادہ کرتے ہیں لیکن اُٹھ نہیں سکتے) مسلمہ! مسلمہ!

مسلمہ: امیرالمومنین! میں حاضر ہوں۔

عُمر: وہ تھیلی کہاں ہے جو غصیین لے کر آیا تھا۔

مسلمہ: امیرالمومنین۔ یہ آپ کے پاس ہی رکھی ہے۔

عُمر: مسلمہ! یہ میری نہیں بلکہ بیت المال کی ہے۔ میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ اسے بیت المال میں پہنچا دو۔

مسلمہ: بہت اچھا امیرالمومنین

عُمر: میرے بھائی اللہ تمہیں جزائے خیر عطا فرمائے اور تم اے فاطمہ؟

فاطمہ: (صبر وجرأت سے کام لے کر) جی امیرالمومنین۔

عُمر: کیا تم میرے ذمہ کے اپنے تمام حقوق معاف کر سکتی ہو؟

فاطمہ: (روکر) امیر المومنین! میں نے معاف کئے۔

عُمر: اللہ تم جیسی نیک بیوی کو جزائے خیر عطا فرمائے فاطمہ! میں تمہیں اللہ کے سپرد کرتا ہوں (آنکھیں اوپر کی طرف اٹھتی ہیں) اے اللہ اپنے فیصلے پر مجھے راضی فرما اور میری تقدیر میں برکت عطا فرما تاکہ مجھے تیرے تعجیل کردہ امور میں تاخیر اور تاخیر کردہ امور میں تعجیل گوارا نہ ہو (دفعتہً چہرہ خوشی سے تمتمانے لگتا ہے) اے کراماً کاتبین خوش آمدید! خوش آمدید!

فاطمہ: امیر المومنین! آپ کسے خوش آمدید کہہ رہے ہیں؟

عُمر: ان چہروں کو جو یقیناً انسانوں یا جنوں کے چہرے نہیں

فاطمہ: اے عمر! میری جان آپ پر قربان ہو۔

(گویا انہیں اپنے گردوپیش کی کوئی خبر نہیں) (آیت) یہ اُخروی مقام ہم ان لوگوں کو دیتے ہیں جو دُنیا میں برتری اور فساد کے درپے نہیں ہوتے اور حسن انجام پرہیزگاروں کے لئے ہے۔ اشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد ان محمداً عبدہ ورسولہٗ۔

(مسلمہ وفاطمہ بھی دردو رقت کے ساتھ دونوں کلمے دُہراتے ہیں)

عُمر: (قدرے ہوش میں آکر) غصین، غصین کہاں ہے؟

مسلمہ: (ضبط سے کام لیکر) امیر المومنین اسے تو جہاں جانا تھا چلا گیا۔

عُمر: (کمزور آواز سے) اللہ کا شکر ہے (اکھڑی ہوئی اور غیر مربوط آواز سے) اے اللہ..... اپنے بندے ...... غصین کو ...... بخشدے ..... اور ..... غصین کے ساتھ ساتھ ..... اپنے بندے عمر کی بھی ... . بخشش فرما۔

(واصل بحق ہوجاتے ہیں)

کتابُ الصّلوٰۃ

ومایلزم لھا

اس کتاب کے مؤلف حامی دین متین حضرت امام احمد بن حنبلؒ ہیں۔ آپ ۱۶۴ھ میں بغداد میں پیدا ہوئے اور ۲۴۱ھ میں وفات پائی۔ فقہ، حدیث، زہد، ورع اور عبادت میں مقتدا ہیں۔ آپ کے فضائل بہت زیادہ ہیں۔ آپ کے مناقب بہت وافر ہیں، آپ کے ذکر کا آفاق میں شہرہ ہے۔ آپ ان مجتہدین میں سے ایک ہیں جن کے قول، رائے اور مسلک پر بہت سے ممالک میں امتِ مسلمہ کا عمل ہوتا ہے۔

آپ کی اس بے بہا تالیف "کتاب الصلوٰۃ" میں نماز کے بارے میں نماز کی عظمت کے بیان میں اور جو باتیں نماز کے کامل ہونے کیلئے لازمی ہیں اور نماز کے ان احکام کے متعلق جن کی مسلمانوں کو سخت ضرورت ہے ایسے تمام امور درج ہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ انسان ساٹھ برس تک نماز پڑھتا ہے لیکن پھر بھی اسکی نماز نہیں ہوتی۔ پوچھا گیا کیونکر نماز نہیں ہوتی فرمایا رکوع پوری طرح سے ادا کرتا ہے تو سجدہ پوری طرح سے ادا نہیں کرتا، سجدہ پوری طرح سے ادا کرتا ہے تو رکوع پوری طرح سے ادا نہیں کرتا۔

یہ کتاب تالیف کر کے امام احمد بن حنبل نے ایک جماعت کے پاس بھیجی تھی جن کے ساتھ آپ کو نماز ادا کرنے کا موقع پیش آیا تھا۔

امام احمد بن حنبل نے خود فرمایا ہے کہ اس کتاب کی مختلف ممالک میں اشاعت کی سخت ضرورت ہے کیونکہ مسلمانوں نے نماز کو ہلکا سمجھ رکھا ہے۔ نماز کے حقوق برباد کر کے نماز کی توہین کرتے ہیں۔

اس کتاب میں امام احمد بن حنبلؒ کی سیرت بھی شامل ہے جو بے شمار علمی و تاریخی فوائد سے لبریز ہے (نور محمد اصح المطابع نے اعلیٰ صحت و شان کے ساتھ طبع کیا ہے)، قیمت مجلد ایک روپیہ آٹھ آنے۔

كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ[1]

عوام و خواص کیلئے لمحۂ فکریہ

(حکیم عبد الشکور، شکراوی)

سرِ عنوان جو فقرہ تحریر ہے وہ سورۂ رحمٰن کی ایک آیت ہے۔ ہر شخص اسے اپنے مخصوص اندازِ ترنم کے ساتھ پڑھتا ہوا گزر جاتا ہے۔ اِلّا ماشاءَ اللہ بہت کم لوگ ایسے ہیں جو اس آیت کے حقیقی معنٰے و مفہوم پر غور کرتے ہوں گے۔ آیت ہٰذا میں بتایا گیا ہے کہ ہر دن کی سرگذشت وقائع، حوادث، سوانح، امورات، خصوصیات و کیفیات لاتی ہیں جو دوسرے دنوں سے بدرجہا ممتاز ہوتی ہیں۔ اگر آپ چند دن کے وقائع و حوادث کو جمع کر کے دیکھیں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ گذشتہ اور موجودہ وقائع و حوادث میں کس قدر فرق و امتیاز ہے۔ کتاب اللہ المجید نے دنوں کو یاد کرنے اور یاد دلانے کا حکم دیا ہے۔ ارشاد باری ہے "وَذَكِّرْهُمْ بِأَيَّامِ اللَّهِ" (ان کو اللہ کے دن یاد دلاؤ) اس لئے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ ہر دن کی شان کو غور سے سمجھے۔

زمانہ با تو نسازد تو بہ زمانہ بساز

فارسی کا یہ مصرعہ ایک طرح سرِ عنوان آیت کی تفسیر ہے زمانہ کے انقلابات سے جو واقعات رونما ہوا کرتے ہیں، ان سے ہر متنفس باخبر ہے مگر انسان خبردار ہونے کے باوجود بے خبر بن جاتا ہے۔ ہر زمانہ، ہر وقت، ہر دن، ہر گھڑی ایک نیا تغیر پیدا کر رہی ہے اور یہ تغیر و تبدل محض اس وجہ سے ہو رہا ہے کہ انسان اس پر غور کرے اور دیکھے کہ خلاقِ اکبر کی حکمتوں کے ماتحت کیا کچھ وقوع میں آرہا ہے۔

گر تو نمی پسندی تغیر کن قضارا

مندرجہ بالا آیت سے فلسفۂ تاریخ پر بھی بڑی روشنی پڑتی ہے اور اس پر زور دیا گیا ہے کہ ہمہ وقت ہمیں واقعات و حالات سے باخبر رہنا چاہئے کیونکہ اس میں نشانیاں ہیں تمدن و تہذیبِ انسانی تدین کی وہ کڑیاں ہیں جن سے قوموں اور جماعتوں کی نظامِ زندگی تیار ہوتا ہے۔

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا

(اللہ کی رسی کو مل جل کر مضبوطی سے پکڑ لو اور متفرق مت ہو) میں اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ واقعات زمانہ سے باخبر رہنا اور پھر انہیں تدبر و تفکر کی نگاہوں سے دیکھنا اور ان کی جانچ کرتے رہنا دین و دنیا کی فلاح و بہبود کے لئے نہایت ضروری ہے۔

آہ ؟ - آج ہر شخص اپنے ماضی پر ماتم کر رہا ہے۔ ہر طرف سے آوازیں بلند ہو رہی ہیں کہ مسلمانوں میں اسلاف کی روح

---

[1] وہ (خالق ارض و سما) ہر روز کسی نہ کسی کام میں رہتا ہے۔

نہیں رہی - ان کی روحِ عمل ختم ہو گئی - ان کے قویٰ مُردہ ہو گئے ان کی مذہبی رُوح مضمحل ہو رہی ہے، ان کے دینی رجحانات رفتہ رفتہ کم ہو رہے ہیں ہم سمجھتے ہیں کہ یہ سب کچھ غلط ہے مسلمان بھی دوسرے انسانوں کی طرح ہیں - یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ دوسرے انسانوں میں تو احساس و ادراک ہو مگر مسلمان کا احساس و ادراک یک دم ختم ہو جائے اور ان میں عزم و ہمت نہ رہے۔

واللہ مسلمان ذہانت و فراست علم و فہم میں کسی دوسری قوم سے پیچھے نہیں ہیں - ان میں لاکھوں اور کروڑوں ایسے ہیں جو اپنے سلسلۂ نسب کو انبیاء سے جوڑتے ہیں، صحابۂ کرام سے ملاتے ہیں، اولیائے عظام سے جوڑتے ہیں اور اس پر انہیں فخر بھی ہے۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ ہماری توجہ اس طرف نہیں رہی اور ہم اس عزتِ ملّی سے کام نہیں لیتے جس سے ہمیں لینا چاہئے تھا۔ ہم اس مرکز سے ہٹ گئے جو ہمارا حقیقی مرکز تھا۔ اگر ہم اپنی ساری کمزوریوں کے باوجود بھی اپنا مرکز قائم کر لیں تو ہماری حالت کل نہیں آج بدل سکتی ہے۔ ہماری یہ کمزوری اسی حالت میں رفع ہو سکتی ہے جب ہم کتاب و سنّت پر عمل کریں اور کتاب و سنّت کے ایک ایک حکم کو گہری نگاہ سے دیکھیں اور پھر یہ بھی سوچیں کہ آخر کیوں ہمارے اسلاف فائز المرام تھے اور کس لئے ہم قعرِ مذلت میں گرے چلے جا رہے۔ آخر ہم اس مذہب کے نام لیوا ہیں جو ہمارے بڑوں کا مرکز اور مسلک تھا۔

آج سرزمینِ ہند و پاک کا ہر مسلمان حیران و ششدر ہے کہ اب ہمارا سیاسی و اقتصادی رجحان کیا ہوگا، ہمارے مذہبی اداروں کا کیا بنے گا، ہمارے عوام و خواص کے دل و دماغ پر اس انقلاب کا ردِ عمل کیا ہوگا، کونسا مذہب غالب آئے گا، کونسا ازم کامیاب ہوگا، ہم کہتے ہیں کہ ذاتِ باری کا حکم

كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ

بتاتا ہے کہ ہم کو وقت اور زمانے کے ساتھ بدل جانا چاہئے۔ جو قومیں یا جماعتیں اسی لیت و لعل میں رہیں گی وہ ہرگز زمانے کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔ اسلئے کہ قانونِ الٰہی ہمیشہ سے یہی ہے جو اُٹھتا ہے اسے سہارا ملتا ہے۔ جو گرتا ہے وہ گر ہی جاتا ہے۔ ایک سچا مسلمان جو کتاب و سنّت پر یقین اور عقیدہ رکھتا ہے۔ اور اپنے لئے اسے راہِ ہدایت سمجھتا ہے، اسکے لئے بجز اسکے اور کوئی چارۂ کار نہیں ہے کہ وہ انقلابات کے رُخ کو پہچانے اور پابندی کے ساتھ کتاب و سنت پر عمل کرتا چلا جائے۔

ہمیں دائیں بائیں مُڑ کر دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے کہ کوئی کیا کر رہا ہے۔ جو کرتا ہے اسے کرنے دو۔ آپ اپنے دین کو مضبوط پکڑیں۔ کتاب و سنّت کو اپنے لئے راہِ ہدایت بنائیں اور یہ غور کریں کہ آج کے دن ہم سے کون کونسی کوتاہیاں سرزد ہوئی ہیں، کتنے احکامِ الٰہی ہم نے توڑے ہیں، کتنے اسلامی رشتے ہم نے منقطع کئے ہیں، کتنی حدیثوں کو ہم نے اس کان سنکر اس کان اُڑا دیا ہے کتنے فرائض کو ہم نے نظر انداز کیا ہے، کتنے اسلامی اور ملّی حقوق کا خون کیا ہے جب آپ ایسا کرینگے تو بیشک سمجھا جائے گا کہ آپ نے ہر دن کی شان کو سمجھ لیا ورنہ وہ دن ضرور آنے والا ہے جس کی شان یہ ہے:-

يَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلَىٰ يَدَيْهِ يَا لَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلًا ۝ (جس دن ظالم اپنا ہاتھ کاٹے گا اور کہے گا کاش میں نے رسول کے ساتھ اپنی راہ بنائی ہوتی جس دن خدا کا فرستادہ رسول کہے گا۔

وَقَالَ الرَّسُولُ يَا رَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَٰذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا (رسول کہے گا اے رب میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑ دیا تھا)

کتاب و سنّت کے علمبردارو! ذرا سوچو تو سہی اپنے مسلک و مشرب کے لئے آج کے دن کا تقاضہ کیا ہے۔ آج آپ اپنے مسلک کی صداقت کو اگر دُنیا پر پیش کرنا چاہتے ہیں تو صرف

عمل سے پیش کیجئے۔ آج کے زمانے میں محض گفتار اور خطابات کا اثر نہیں لیا جاتا۔ آج کی جاہلیت چودہ سو سال پہلے کی جاہلیت سے کہیں آگے بڑھی ہوئی ہے۔ قرآن بتاتا ہے تاریخ خبر دیتی ہے کہ کفارِ عرب یہود و نصاریٰ وغیرہ گمراہ تھے۔ بدراہ تھے، بے راہ تھے، عناد تھے، سرکش تھے۔ ڈھٹائی اور غرور میں ان کا کوئی ہم پلّہ نہ تھا مگر تجربہ بتاتا ہے کہ ان سے زیادہ سرکشیاں، ان سے زیادہ ڈھٹائیاں، ان سے زیادہ جاہلیت ہمارے اپنے گھروں میں موجود ہے۔ ہمارے قبیلوں میں موجود ہے، ہمارے محلّوں میں موجود ہے، ہمارے شہروں میں موجود ہے اور پھر یہی کیوں نہ کہہ دوں کہ خود ہم میں اور ہماری ذرّیات میں موجود ہے۔ اور تو اور اَن پڑھ اور جاہلوں کو تو جانے دیجئے ان میں تو پھر بھی کچھ نہ کچھ تسلیم و انقیاد کا مادہ موجود ہے مگر ہمارے لکھے پڑھے عوام و خواص کی جو حالت ہے وہ سخت ناگفتہ بہ ہے مسلمانوں کی فرقہ بندیوں کا افسانہ ایک ایسی دُکھ بھری داستان ہے کہ اسے چھیڑنے کو دل نہیں چاہتا اسے سنکر کلیجہ مُنہ کو آتا ہے۔ ہر جگہ نفرت کا بازار گرم ہے۔ حالانکہ یہ نفرت ہی ہے جس نے قوموں اور جماعتوں کو تباہ و برباد کر دیا ہے۔ اسلام کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس نے نوعِ انسان سے نفرت کے مٹانے کا جو سبق دیا ہے اس کی مثال ادیانِ عالم میں تلاش کرنا فعلِ عبث ہے اور پھر ملّی وحدت کا تو ہم کیا ذکر کریں کلمہ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ میں، نماز میں روزہ میں، حج میں، زکوٰۃ میں، جمعہ میں، جماعت میں، عیدین میں اس پہلو کو واضح طور پر مقدم رکھا گیا ہے۔ خود جماعت کا لفظ جمع سے مشتق ہے۔ جس کے معنیٰ اکٹھے ہونے کے ہیں

اسلامی اجتماعات جن میں جمعہ جماعت عیدین شامل ہیں۔ ان کا مقصد صرف اکٹھا ہو جانا نہیں ہے بلکہ اس کا حقیقی مفہوم افرادِ ملّت کے حقوق کا اکٹھا کرنا، ان کی عزتوں کو اکٹھا کرنا ان کی سیاست و اقتصادیت کو اکٹھا کرنا ہے۔

کاش آج ہر مسلمان کُلَّ یَوْمٍ ھُوَ فِیْ شَاْنٍ کے مقصد پر غور کرے اور وقت کے تقاضوں کو سمجھے اور ہر فرد اپنی اپنی جگہ ایک دوسرے سے مل جائے۔

لَا تَدْخُلُوا الْجَنَّۃَ حَتّٰی تُؤْمِنُوْا وَ لَا تُؤْمِنُوْا حَتّٰی تَحَابُّوْا (تم جنّت میں داخل نہیں ہو سکتے جب تک کہ تم ایمان نہ لاؤ اور ایمان تمہارا اس وقت تک کامل نہیں ہو سکتا جب تک ایک دوسرے سے اتفاق اور دوستی نہ رکھو)

ایک طرف حضور نبی اکرم صلعم کا یہ فرمان ہے اور دوسری طرف ہمارے مکروہ اعمال و افعال ہیں۔ ہمیں چاہیئے کہ ہم باہم مل جُل کر اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لئے عملی تبلیغ کرنے کو تیار ہوں اور تبلیغ بھی اجزاءِ دین کی نہیں بلکہ پورے اسلام کی ہونی چاہئے۔ اگر ہر فرد اپنی جگہ ایسا کریگا تو یقیناً اپنے حالات کو بدل دینے پر قدرت پا سکے گا۔

قرآن مجید کی آیت ہے:۔

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْکِتٰبِ
وَتَکْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَآءُ
مَنْ یَّفْعَلُ ذٰلِکَ مِنْکُمْ اِلَّا خِزْیٌ
فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَیَوْمَ الْقِیٰمَۃِ
یُرَدُّوْنَ اِلٰٓی اَشَدِّ الْعَذَابِ

کیا تم کتاب کے بعض حصوں پر ایمان
رکھتے ہو اور بعض کو جھٹلاتے ہو۔
جو لوگ تم میں سے ایسا کرینگے ان کا
اسکے سوا اور کیا بدلہ ہو سکتا ہے کہ
دنیا کی زندگی میں بھی ان کی ذلت
اور رسوائی ہو اور آخر کار قیامت
کے دن ایک بڑے سخت عذاب کی
طرف لوٹا دیے جائیں۔

اس آیت کریمہ میں مندرجہ ذیل باتیں قابلِ غور ہیں:۔

ا۔ بعض آیات پر عمل اور بعض سے لاپرواہی و اعراض

ب۔ دنیا کی ذلت و رسوائی۔

ج۔ عذاب آخرت

ہم مسلمان قرآن مجید کی وہ باتیں تو ایک حد تک مانتے ہیں جن کی بابت بظاہر ہر نکتہ چینی کا خوف ہے اور وہ باتیں چھوڑ جاتے ہیں جو ہمارے حسی دائرے سے خارج ہو چکی ہیں حالانکہ قرآن مجید کی ہر آیت اور ہر حکم ایک ہی قیمت ایک ہی تبلیغی ضرورت رکھتا ہے۔ قرآن مجید میں اجمالی طور پر یہ بتایا گیا ہے:۔

۱۔ معاملات درست رکھو۔

۲۔ حقوق العباد میں فرق نہ آنے دو۔

۳۔ خود غرضی اسی حد تک ہو جو صحیح فطرت کے مطابق ہو

۴۔ اخوت و محبت سے کام لو۔

۵۔ واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا۔

۶۔ آپس میں پھوٹ مت ڈالو۔

۷۔ ایک دوسرے کی بدخواہی نہ کرو۔

۸۔ علوم و فنون کو حاصل کرو۔

۹۔ سلسلۂ کائنات کو علم و تحقیق کی نگاہوں سے دیکھو۔

۱۰۔ اسلام اور رسول کے واسطے غیرت مند بن جاؤ۔

جب ہم ان ہدایات اور ان احکام پر توجہ نہیں کرتے تو ہم سے دینی رنگ میں کوئی باز پرس نہیں ہوتی لیکن جب ہم سے ایک نماز یا ایک روزہ ترک ہو جاتا ہے یا ہم وضو میں کوئی غلطی کر جاتے ہیں تو فوراً ہی فقہی ڈنڈے سے درست کیا جاتا ہے یا کفر کا فتویٰ لگا دیا جاتا ہے یا دوزخ کی منزلیں ہمارے واسطے خاص کر دی جاتی ہیں۔ ہم حیران ہیں کہ کیوں دوسری نافرمانیوں یا فروگذاشتوں کی بابت ہمارا احتساب نہیں لیا جاتا اور کیوں ہم سے ان کے بارے میں کوئی باز پرس نہیں ہوتی۔

کیا قرآن مجید صرف نماز روزہ ہی سکھانے آیا ہے۔ کیا اس کی تبلیغ ان ہی مسائل پر ختم ہو جاتی ہے۔ نہ جانے یہ حضرات تِبْیَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ (قرآن ہر چیز کی تفصیل ہے) کا مطلب کیا نکالتے ہیں۔ کیا قرآن کریم کی دوڑ تسبیح اور مسجد تک ختم ہو جاتی ہے اور کیا اس کا دائرہ اسقدر تنگ ہو۔

یہ بھی کبھی سوچا ہے کہ مسلمانوں میں کس قدر بے جا مقدمہ بازیاں ہو رہی ہیں اور اس میں ان کا کس قدر خرچ ہوتا ہے اور اس سے ان کی کیا حالت ہو رہی ہے۔ یہ بھی کبھی غور کیا کہ شریعت کی ترمیم پر بعض پڑھے لکھے مسلمان کس شوخ چشمی سے زور کر رہے ہیں۔

یہ بھی دیکھا ہے کہ مسلمان عہود اور مواثیق میں کیا کیفیت رکھتے ہیں ان کے نزدیک وعدہ کی پابندی اور ایفائے عہد کیا حیثیت رکھتے ہیں اور رفتہ رفتہ ان کا عمل کیا رنگ اختیار کرتا جا رہا ہے۔ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا[ل] کی آیت کس طرح دائرۂ عمل سے خارج ہوتی جا رہی ہے کبھی ان فروگذاشتوں پر پیشوائے امت نے غور کیا؟ اور کبھی یہ حالات دیکھ کر بھی ہماری مذہبی رگیں پھڑکیں؟ کیا آپ نے کبھی اس طرف بھی توجہ کی ہے کہ ہماری موجودہ نسلیں اپنے مذہب کو کس نگاہ

ل وعدے کے متعلق بھی ضرور سوال ہوگا (کہ تم نے پورا کیا یا نہیں)

سے دیکھ رہی ہیں؟

"اَلْحَیَاءُ مِنَ الْاِیْمَانِ" [1] رسول اللہ صلعم کا فرمان ہے کبھی یہ بھی سوچا کہ مسلمانوں کا شیرازہ کس طرح دن بدن ٹوٹ رہا ہے اور کس قسم کی خرابیاں اور برائیاں اس وجہ سے موجب ذلت ہو رہی ہیں۔ پیشوایانِ امت اور رہنمایانِ قوم و ملت کا فرض اولین تو یہ تھا کہ ان باتوں کی طرف توجہ کرتے لیکن خوش قسمتی سے کسی اور ہی طرف لگ گئے۔

اگر قرآن مجید ہمیں صرف نماز روزہ ہی سکھانے آیا ہے اور اگر اس کا مبلغ ہدایت صرف یہیں تک ہے تو کیوں نہ خدانخواستہ دوسری آیات کو قرآن کریم سے نکال دیا جائے تاکہ یہ قصہ ہی پاک ہو۔ قرآن کریم بھی معاذاللہ مختصر ہو جائے گا۔

ہرچہ گیرید مختصر گیرید

پچھتر فی صدی مسلمان معاملاتی پہلو اور غیورانہ مسلک چھوڑتے جا رہے ہیں۔ اسوۂ رسول کی کوئی پرواہ نہیں کرتے اس کی انہیں کوئی فکر نہیں۔ جب ہمارے معاملات درست نہیں اور جب ہم غیرت کھو چکے ہیں تو یہ نمازیں اور یہ روزے ہمارے کس کام کے ہیں؟ جو نمازیں جو روزے ہمارے معاملات کا دامن پاک نہیں کر سکتے، ان کی قیمت ہی کیا ہے؟ نماز کی تعریف ہی یہ ہے۔

اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْکَرِ

(نماز تمام بیہودگیوں اور برائیوں سے روکتی ہے) اگر کسی کی نماز یہ کشش اور اثر نہیں رکھتی تو پھر اس کا فائدہ ہی کیا؟ اصل کام معاملات کی درستگی اور صداقت ہے۔ کیونکہ وہی نماز کی حقیقی تعریف یا حقیقی معیار ہے۔ پہلے درستی اور صحتِ معاملات کے وعظ کرو بعد ازاں نماز روزہ کے احکام سناؤ۔

چشم ما روشن دلِ ما شاد

معاذاللہ ہمارا یہ منشا ہرگز نہیں کہ نماز یا روزہ کی ضرورت نہیں۔ یہ دونوں شعائر اسلام اور سید الفرائض ہیں۔ ہمارا مطلب و مقصد تو یہ ہے کہ صرف انہیں مقدم رکھ کر معاملاتی پہلو چھوڑ دینا یا ان کی پرواہ نہ کرنا ایک شرمناک کمزوری ہے صحت معاملات ہی سے ایک قوم کی سیرت اور حسنِ عمل کا ثبوت ملتا ہے۔ نمازیں اور روزے بھی اس کی تائید کرتے ہیں۔ جو شخص نماز روزے کا منکر ہے وہ اسلام کا منکر ہے مگر معاملات کی درستی بھی تو مقدم ہے۔

[1] حیا و شرم بھی ایمان کا ایک جزو ہے۔

نوٹ:-

یہ مضمون کتابت کے مراحل سے گزر چکا تھا کہ ہماری توجہ ۱۵ اگست ۱۹۵۴ء کے اخبار "اہلحدیث" دہلی کی طرف دلائی گئی جس کے اداریہ کا پورا مضمون بجنسہ یہی ہے۔ حکیم عبدالشکور صاحب شکراوی اخبار مذکور کے معاون ایڈیٹر ہیں اور انہی کے نام سے یہ اداریہ شائع ہوا ہے۔

ایک ہی مضمون کا بیک وقت دو رسالوں میں شائع ہونا ایک طرف معیوب امر ہے اور دوسری جانب مختلف قسم کی غلط فہمیوں کا موجب بنتا ہے ــــ صاحبِ مضمون سے ہم کو سخت شکوہ ہے کہ ایک ہی مضمون "تذکرہ" کے لئے روانہ کرکے دوسرے اخبار میں بھی شائع کرا دیا اور ہم کو اس صورتِ حال سے آگاہ نہ کیا۔

(ادارہ)

گلِ پژمردہ

(کنور محمد ادریس خان مضطر)

اے گلِ پژمردہ تجھ کو کس طرح میں گل کہوں
کس طرح تجھ کو تمنّائے دلِ بلبل کہوں"

ہو گئی ہیں منتشر سب آج تیری پتّیاں
ڈھونڈتا پھرتا ہی گلشن میں تجھے اب باغباں

کر دیا پامال کس نے لا کے گلشن سے تجھے
کس نے تیری جان لی دم بھر کی زینت کیلئے

آ کے اٹھلاتی تھی گلشن میں جسے بادِ بہار
ہو رہا ہے آج وہ نازک بدن بھی تار تار

خوابِ غفلت سے جگاتی تھی کبھی تجھ کو نسیم
بانٹتی تھی پھر جہاں میں تیری خوشبو کو شمیم

تھا کبھی مہکا ہوا خوشبو سے سارا گلستاں
روز و شب تیرا محافظ تھا کبھی تو باغباں

جستجو میں تیری بلبل کرتی ہے چیخ و پکار
ہو رہی ہے تیرے نہ ملنے سے کتنی بے قرار

شاخ جس کی گود میں پلتا رہا تو اب تلک
وہ یونہی گھلتی رہے گی تیرے غم میں کب تلک

تیرے کھلنے سے کبھی گلشن میں آئی تھی بہار
تھیں چہکتی شاخ پر آ کر عنادل بار بار

تو ہی اس صحنِ گلستاں کا تھا اک روشن چراغ
دیکھ کر تجھکو دلِ مضطر تھا ہوتا باغ باغ

سر زمین مصر کا ایک اصلاحی قصہ

نجمہ

(سولھویں قسط)

(معراج محمد بارق)

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

"نجمہ" نے اگرچہ گمراہانہ روش چھوڑ کر "انجمن بنات المسلمین" میں شرکت کر لی تھی لیکن وہ اپنی والدہ کے اصرار پر ان کی منعقد کردہ ایک محفل میں چلی گئی۔ وہاں محسن نے غلطی سے اسے نئے فیشن کی لڑکی سمجھ کر اس کی والدہ کو رشتہ پر راضی کر لیا۔ شادی کے بعد یہ دونوں "ماہ عسل" گزارنے پہلے اپنے دیہات گئے پھر اسکندریہ، جہاں ان کے گھر والے گرمیاں گزارنے اور نجمہ کے والد شاکر صاحب کی تبدیلیٔ آب وہوا کے لئے گئے ہوئے تھے۔ وہاں سب گھر والوں سے اور اپنی سہیلی ثریا، رضیہ اور اس کی والدہ سے مل کر یہ دونوں جلد واپس قاہرہ آگئے۔

موسمِ گرما اپنی رعنائیاں اور دلفریبیاں لیکر گزر گیا، اور ساحل کے سیاحوں نے بھی رختِ سفر باندھنا شروع کر دیا، کچھ ہی دن میں تمام ساحل خالی ہوگیا اور اسکی تمام رونق اور چہل پہل ماند پڑ گئی۔

جب ساحل پر کئی مہینے گزارنے کے بعد بھی شاکر صاحب کی صحت درست نہ ہوئی تو ان سب نے قاہرہ واپس جانے کا ارادہ کر لیا۔

لیکن ابھی یہ جانے کے لئے تیار بھی نہ ہوئے تھے کہ ایک سانحہ درپیش ہوگیا۔ رضیہ کی والدہ مسرت بیگم اچانک فوت ہوگئیں۔ اِس المناک واقعہ سے تمام لوگ مغموم تھے۔ خصوصاً محسن بہت ہی فکر مند تھا، اسے یہ فکر سوار ہوگیا تھا کہ کسی طرح اسکی اور رضیہ کی شادی کی رسوم جلد تکمیل کو پہنچ جائیں، تاکہ اسکی منگیتر اپنے کو تنہا محسوس کر کے غمِ واندوہ میں ہلکان نہ ہو جائے۔

اس صورتِ حال کے پیشِ نظر سب گھر والوں کی وا... کچھ دنوں کے لئے ملتوی ہوگئی اور اس دوران میں ان... دونوں کی شادی بغیر کسی جشن و دھوم دھام کے پوری ہ... اور اکتوبر کے اواخر میں یہ خاندان اپنے "محل" واپس آ... جو قاہرہ کے نواحی علاقہ زمالک میں واقع تھا۔

لیکن گھر والوں کی واپسی کے ساتھ محسن و نجمہ کی قسم... نے بھی پلٹا کھانا شروع کر دیا۔ ان کی سیہ بختیاں ان کے... چہار سُو لٹکے ہوئے طالعمندی کے زریں پردوں میں جا بج... سوراخ کر کے ان میں سے اپنی بھیانک شکلیں نکال کر... جھانکنے لگیں۔ تقدیر ایک عرصہ تک خاموش رہ کر تھک چکی... تھی، اب وہ محسن کو اس کی ازدواجی زندگی کی خوشیاں... برباد کرنے کا متوقع سبب بتلانے کے لئے بیتاب نظر آتی تھ...

—— وہ سبب کیا تھا؟

—— واقعہ یہ ہوا کہ جب گھر والے ساحل سے لوٹ کر اپنے "محل" پہنچے تو نجمہ اور اس کا خاوند محسن دونوں ملاقات کے لئے وہاں گئے۔ اتفاق سے نسیمہ کا منگیتر شفیق بھی وہاں موجود تھا۔ اپنی بہن کے اصرار کے باوجود نجمہ اسکے سامنے بے پردہ نہ ہوئی، بلکہ بدستور دوپٹہ اور نقاب اوڑھے رہی

ناشتہ کے بعد نجمہ اپنی بہن اور والدہ کے ساتھ بیٹھی باتیں کرنے لگی —— ان کے قریب ہی محسن ہمیع اور شفیق کے ساتھ "کیرم" کھیلنے میں مشغول ہو گیا۔

عجیب بات ہے کہ اُس روز محسن کی قسمت اپنے عروج پر تھی، وہ بار بار جیت رہا تھا، اسی جیت کی خوشی میں وہ آج اتنا فرحاں وشاداں تھا کہ اس سے قبل کبھی نہ ہوا ہوگا۔

لیکن قدرت، جس نے ایک طرف اسے ہر طرح کا عیش وآرام عطا کیا تھا اور دوسری طرف اسکی قسمت میں دین اور دینداروں سے نفرت لکھی تھی، اس نے چاہا کہ آج جبکہ یہ سرور وشادمانی کا انتہائی لطف اٹھا رہا ہے، اسی وقت اسکی سزا کا آغاز کر دینا چاہئے۔

اس کا آغاز اس طرح ہوا کہ اُسے نسیمہ اور اسکی والدہ کی کچھ تمسخرانہ باتیں سنائی دیں جو وہ نجمہ سے اسکے پردہ کا اہتمام کرنے پر کر رہی تھیں۔ وہ اس کا مذاق اڑا رہی تھیں اور یہ ان کا برابر جواب دے رہی تھی۔

محسن کے تعجب وحیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب اس نے دیکھا کہ اس کی بیوی جواب دیتے وقت آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبوی کے حوالے دے رہی ہے۔ اس کو یہ معلوم کرکے نہایت افسوس ہوا کہ معاملہ صرف پردہ تک نہیں ہے بلکہ یہ سرتاسر اسی قسم کی عورت ہے جن سے شادی کرنے سے یہ کوسوں دُور بھاگتا تھا۔

اس کو یہ یقین ہو گیا کہ یہ پردہ کا اہتمام اپنی انجمن وغیرہ کو دکھانے کے لئے نہیں ہے جیسا کہ اس کو غلط فہمی تھی بلکہ وہ اس کی پوری طرح معتقد ہے۔ یہ چیزیں دیکھ کر اسے بڑی پریشانی ہوئی، طرح طرح کے خیالات ذہن میں چکر لگانے لگے۔ اس نے پھر دوبارہ کان لگا کر ان کی باتیں سننے کی کوشش کی، لیکن اس کے بعد وہ دوسری باتوں میں مشغول ہو گئی تھیں نجمہ اپنے بھائی حسن کے گھر جانے کا ارادہ ظاہر کر رہی تھی، تاکہ اس کی بیوی رضیہ سے اس کی والدہ کی وفات پر تعزیت کر سکے۔

کچھ دیر بعد نجمہ اور محسن وہاں جانے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے، جب یہ حسن کے گھر پہنچے تو محسن نہایت پریشانی اور افسردگی کی حالت میں ایک جگہ بیٹھ گیا۔ نجمہ نے سمجھا کہ شاید رضیہ کی والدہ کے انتقال کا افسوس ہے لیکن اگر وہ اس وقت اس کا دل ٹٹول کر دیکھتی تو معلوم ہوتا کہ اسے مسرت بیگم کے انتقال سے زیادہ آج کی سنی ہوئی باتوں پر غم وافسوس ہے۔ الغرض محسن غیر معلوم طور پر اس طرح بدلتا رہا اور اس میں مخفی طور پر یہ تبدیلیاں برابر پیدا ہوتی رہیں۔

ملاقات اور تعزیت سے فارغ ہو کر وہ اپنے گھر پہنچے۔ لیکن محسن کے پہلو میں اب وہ دل نہ تھا جو جانے سے قبل لے کر گیا تھا، اب نگاہیں اور ادائیں سب بدل گئی تھیں، پہلے وہ جب بھی گھر کو لوٹتا تو اس کی مسرت کا کوئی ٹھکانہ نہ ہوتا، لیکن اب وہ نہایت افسردگی اور پریشانی کی حالت میں گھر میں داخل ہوتا ہے۔ اسکے ذہن میں اب تک

وہی باتیں چکر لگا رہی ہیں، ان کو سوچ سوچ کر وہ طرح طرح کے وساوس میں مبتلا ہوگیا ——— آج ہی سے اس نے ارادہ کرلیا کہ آئندہ وہ اپنی بیوی کی تمام نقل وحرکت نگاہ میں رکھے گا، ابتک جن باتوں کی طرف کوئی توجہ نہ دی ان کا خاص خیال رکھے گا۔ الغرض یہ منصوبے باندھکر اس نے اپنی بیوی کی مکمل نگہداشت شروع کردی۔

چند ہی دن گزرنے پر اس کی آنکھوں کے آگے سے پردہ ہٹ گیا، اس نے اپنی بیوی میں وہ تمام باتیں دیکھیں جن سے وہ سخت نفرت کرتا تھا، ایسی ایسی غیر متوقع باتیں سنیں جن کا اسے خواب وخیال بھی نہ تھا ——— پھر اُسے یقین ہوگیا کہ یہ لڑکی جس کو مَیں نے "اوپیرا ہاؤس" میں دیکھا تھا اور "خواتین ہال" میں اس سے رشتہ کرنے کا معاملہ اس کی والدہ سے طے کیا تھا ——— افسوس یہ تو اسی قسم کی دقیانوسی خیالات والی نکلی جس سے جس سے مجھکو عرصہ تک فرار رہا۔

محسن کی شروع سے خواہش تھی کہ ایک ایسی نئے فیشن کی بیوی ملے جس کو دین ومذہب سے کوئی واسطہ نہ ہو، ان "فرسودہ" خیالات سے وہ بالکل پاک ہو تاکہ وہ اسکے ساتھ دنیا کی تمام لذات اور نعمتوں سے پورا پورا فائدہ اٹھاسکے۔ اسکے میلانِ طبع کے مطابق ہو، اور جہاں وہ لے جانا چاہے چلے، اپنے دوستوں سے اس کا تعارف کرائے ان کے ساتھ اٹھے بیٹھے جیسا کہ ان کی بیویاں اسکے ساتھ اٹھتی بیٹھتی ہیں شراب نوشی، جُوئے بازی اور اسی طرح کے دیگر مقاماتِ عیش وطرب میں اس کی برابر کی شریک ہو، ان مشاغل میں وہ معاون ثابت ہو، رُکاوٹ کا باعث نہ بنے۔

لیکن اب اس پر اصل حقیقت آشکارا ہوئی، کیونکہ یہ وہ مطلوبہ بیوی نہ تھی جس کی تلاش میں یہ عرصہ سے کوشاں رہا۔

ایک دن محسن اپنے دفتر میں دونوں ہاتھوں میں سر ڈالے اکیلا بیٹھا سوچ وفکر میں غرق تھا، اسکے سامنے اپنی بیوی کی وہ تصویر آگئی جبکہ وہ اس محفلِ طرب میں شریک تھی جہاں ان کا رشتہ طے پایا۔ شیطان نے اسکے سامنے نجمہ کی شرم وحیا اور پردہ وحجاب کے وہ تمام پہلو بدنما کر کے دکھانے شروع کردیئے جو اس نے محفل میں برتے تھے۔ اور یہیں سے اسکے دل میں ضلالت وگمراہی کا بیج آہستہ آہستہ پرورش پانے لگا

اِن تصوّرات کی دنیا میں گھوم پھر کر وہ بیحد پریشان ہوگیا، وہ اپنے اس انتخاب پر حد درجہ پشیمان تھا، دِل ہی دل میں اپنے آپ کو ملامت کرتے ہوئے کہنے لگا:

——— ہائے میری نادانی! مَیں اس کی ظاہری شکل و صورت اور حرکات سے کیوں دھوکہ کھا گیا۔ اس کی زیب و زینت میں پردہ اور حجاب مستور تھا۔ وہ محفلِ عیش وطرب میں شریک ہونے کے باوجود اس سے کوسوں دُور تھی، اس کی گفتگو میں اگرچہ حلاوت تھی لیکن شرم وحیا کی ملاوٹ تھی۔

——— وہ جب چندہ وصول کرتے ہوئے لوگوں کے پھول لگا رہی تھی تو اس کا طور طریق دوسری لڑکیوں کی طرح نہ تھا۔ وہ بالکل جُداگانہ طرزِ عمل اختیار کئے ہوئے تھی ———

——— اس نے جب میرے کوٹ پر پھول لگایا اور مَیں نے اس کو سو کا نوٹ پیش کیا تو اس نے دوسری لڑکیوں کی

طرح نہ میری طرف دیکھا نہ اسکے چہرے پر کوئی مسکراہٹ ظاہر ہوئی۔ وہ اس وقت بالکل سنجیدہ اور باوقار عورت کی طرح گویا یہ "فرض" انجام دے رہی تھی .... کاش میں نے محمود کی یہ بات تسلیم نہ کی ہوتی کہ "یہ سب غرور و تکبر کے آثار ہیں"۔ اگر میں نے اسی وقت اسے ان ہی نگاہوں سے دیکھا ہوتا جن سے اب دیکھ رہا ہوں تو اس وقت اسکی محبت کا تیر دل سے نکالنا نہایت آسان تھا۔ لیکن اب تو یہ اپنا کام کر چکا ہے۔ اب نہ اس کا نکالنا آسان کام ہے نہ اس صورت میں نباہ ممکن نظر آتا ہے۔

اسکے سامنے گزشتہ ازدواجی زندگی کے تمام عکس و مناظر سامنے آنے لگے ..... شیطان نے اسکے ذہن سے نجمہ کی تمام خوبیاں بھلادیں، اور برائیاں اُجاگر کر دکھائیں، اس کا جدید طرزِ زندگی، اس کی نظافت پسندی، گھر بار کا سلیقہ اور رہن سہن کے عمدہ طور طریق سب اس کی نظروں سے اوجھل ہو گئے ..... اس کو یاد کیا رہا؟ ..... بس یہی کہ "وہ پردہ کی سخت پابند ہے۔ موقع بے موقع احادیث کے حوالے دیتی ہے، مثلاً شادی کے بعد جب میں نے اپنے نانا کے پاس جانا چھوڑ دیا تو اس نے دورانِ گفتگو میں کہا تھا کہ "رشتہ ناطہ توڑنے والا ہرگز جنت میں نہ جائے گا"۔ اور ایک روز جب مجھ کو شراب کی خواہش ہوئی تو اس نے بڑے واعظانہ انداز میں کہا تھا کہ "جو کوئی شراب پئے گا اس کو اللہ تعالے جہنم کی پیپ پلائے گا"۔

سب سے بڑھ کر یہ کہ اب اس کو نجمہ کے مخصوص قسم کا لباس پہننے کی علت معلوم ہو گئی تھی اور یہ بھی پتہ چل گیا تھا کہ اس نے گرمیاں گزارنے اور سیر و تفریح کرنے کے لئے دور افتادہ مقامات کیوں پسند کئے تھے ____ اور اب اس کو وہ راز بھی مل گیا تھا جس کے سبب وہ اسکے دوستوں کے سامنے آنے سے ہر مرتبہ گریز کرتی تھی۔

اِس لمبی چوڑی سوچ بچار کے بعد اس نے نظر اٹھاکر اپنے چاروں طرف دیکھا، ہر چیز اپنی جگہ ساکن و خاموش تھی ...... لیکن اس کا دل بے چین اور دماغ پریشان تھا۔

پھر اُسے خیال آیا کہ اب تو بڑے ناناجان کی وہ دعا یا بد دعا قبول ہو گئی جو انہوں نے اپنے خاندان والوں کو دیندار بیوی ملنے کے لئے کی تھی .....

یہ خیال آتے ہی اسکے ذہن میں ایک دیندار بیوی کا وہی نقشہ آگیا جو وہ اکثر سوچا کرتا تھا۔ اسی کے مطابق وہ نجمہ کو بھی دیکھنے لگا۔

اِس اُدھیڑ بن میں اس کا غم و اندوہ بڑھتا گیا، پریشانی میں برابر اضافہ ہوتا رہا وہ اپنی قسمت کو رو رہا تھا، اور سوچ رہا تھا کہ

____ ایسی بیوی سے میرا کیسے نباہ ہو سکتا ہے جس کے نظریات و افکار، میرے خیالات کے بالکل برعکس ہیں، جس کا میلانِ طبع مجھ سے بالکل مختلف ہے؟ آخر یہ اجتماعِ ضدین کیسے قائم رہ سکتا ہے؟ آپس میں سلوک سے رہنے کی ممکن صورت کیا ہو سکتی ہے؟

اس موقع پر اسکے دل میں کئی مرتبہ یہ تمنا اٹھی ___ کہ کاش اس وقت محمود ہوتا ____ وہ میری یہ مشکل آسان کر دیتا، ایسے مواقع پر اس کا مشورہ بہت مفید ثابت

ہوتا ہے ـــــ لیکن اب محمود کہاں تھا؟ وہ تو کبھی کا جاچکا تھا اس کا تبادلہ کسی ساحلی علاقہ میں ہو چکا تھا۔

اسپ خیال کی عنان اس نے پھر ڈھیلی کر دی، اور وہ ذہن کی پریشانی و پراگندگی سے بدک کر میدانِ تصورات میں پھر اپنی جولانیاں دکھانے لگا۔ شیطان نے بھی خوب جال پھیلائے اور اس کو مذموم حرکات پر اُکساتا رہا۔

گھنٹوں دماغی بے راہ روی کے بعد نتیجہ یہ نکلا کہ وہ اپنی بیوی کو ان دینی پابندیوں سے آزاد کرانے کے لئے مستعد ہو گیا۔

اتنے میں دفتر کا ٹائم ختم ہوا اور وہ کار میں بیٹھ کر گھر کو چل پڑا ـــــ یہ ارادہ کرنے سے اسکے بےچین دل کو قرار مل گیا اور امید کی کچھ کرن نظر آنے لگی۔

قِسمت کی خوبی دیکھیئے .... ان میں سے ہر ایک اس پر اثر آیا ہے کہ کسی طرح اپنے ساتھی کو اس کی راہ وروش سے ہٹا دے اور اپنے مطابق بنالے۔

ـــــ اب دیکھیئے فتح کس کی ہوتی ہے؟

"نجمہ" کی سترھویں قسط ..... ماہ اکتوبر کے تذکرہ میں .... ملاحظہ فرمائیے

بشیر محمد، طابع و ناشر نے مشہور آفسٹ لیتھو پریس کراچی میں طبع کرا کر دفتر "تذکرہ" آرام باغ کراچی سے شائع کیا۔